Marfat.com

Marfat.com

# صدائے حکمت

شاہد محمود وڑائچ

مثال پبلشرز
رحیم سینٹر، پریس مارکیٹ، امین پور بازار، فیصل آباد

Marfat.com

جملہ حقوق بہ حق مصنف محفوظ ©


اشاعت : 2014

کتاب : صدائے حکمت

مصنف : شاہد محمود وڑائچ

ناشر : محمد عابد

تزئین : عبدالحفیظ

قیمت : 200 روپے

مطبع : بی پی ایچ پرنٹرز، لاہور


۱۲۴۵۴۲

# Sada-e-Hikmat

by


Shahid Mahmood Warraich

0300-7110807



Edition - 2014

اہتمام

مثال پبلشرز رحیم سینٹر پریس مارکیٹ امین پور بازار فیصل آباد

**Ph:2615359 -2643841 Mob:0300-6668284**

**E-mail:misaalpb@gmail.com**

شوروم

مثال کتاب گھر، صابریہ پلازہ، گلی نمبر 8، منشی محلہ، امین پور بازار، فیصل آباد


Marfat.com

حضرت باباجی خالدؒ

کے نام

جن کی انسان دوستی

اور

روحانی فیض ہر خاص و عام کے لیے جاری ہے

Marfat.com

اسلام کی ایک خوبصورتی یہ ہے کہ انسان
لایعنی (چیزوں) کو ترک کردے۔

(بیہقی شریف)

Marfat.com

# فہرست


| | | |
|---|---|---|
| ''صدائے حکمت'' | پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم چودھری | 9 |
| ''صدائے حکمت'' کی صدا | سیّد سردار احمد پیرزادہ | 13 |
| ''صدائے حکمت.... ایک منفرد تصنیف'' | ڈاکٹر پروفیسر سیّد اخلاق حسین شمسی | 17 |
| مقدمہ | شاہد محمود وڑائچ | 20 |
| تشکّر نامہ | | 28 |

باب اوّل (بحوالہ الفاظ)

| | |
|---|---|
| حضرت | 33 |
| مُصلّی | 37 |
| خلیفہ | 41 |
| حافظ | 44 |
| مولوی / مُلّا | 47 |
| دین دار | 52 |
| حاجی | 54 |
| مرشد | 57 |
| صلوات | 61 |
| حضور / قبلہ / کعبہ / سرکار | 64 |


Marfat.com

باب دوم (بحوالہ محاورات/روزمرہ)


○ صلواتیں سنانا 69
○ بڑے میاں سو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ 72
○ اللہ کا نام محمد ﷺ کا کلمہ 76
○ نماز کو چھڑانے گئے روزے گلے پڑے 78
○ حضرتِ فاطمہؓ کی جھاڑو پھرے 81
○ آنتوں کا قل ہو اللہ پڑھنا 83
○ اللہ میاں کی بھینس/اللہ میاں کی گائے 86
○ اندھے کی جورو کا اللہ بیلی 89
○ ایک سے ایک اعلیٰ، سُبحانَ ربیَّ الاعلیٰ 91
○ بسم اللہ ہی غلط 93


باب سوم (عمومی)


○ نیو بسم اللہ، نیو ماشاء اللہ، نیو مدینہ 99
○ مکہ کولا، زم زم کولا 101
○ کراس/صلیب 104
○ زید، بکر، عمر، علی 106
○ موبائل/ای میل پیغامات 108
○ عبد اللہ، عبد الرحمٰن..... 111
○ شیخ القرآن، شیخ الحدیث، شیخ طریقت..... 114


باب چہارم (اختتامیہ)


○ کتابیات 125


Marfat.com

## ''صدائے حکمت''

لفظ میں معنی خیزی کی ترسیل کا عمل وسیع تر سماجی، تہذیبی، مذہبی اور ادبی تناظرات کا حامل ہوتا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہے کہ یہ تناظرات مخصوص زمان و مکاں کے پابند بھی ہوتے ہیں تاہم معنی کا یہ تسلسل ہر زمان و مکاں میں تازہ اور نیا ہوتا رہتا ہے، اس اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ معنی اپنے روپ سروپ کو تبدیل کرتا رہتا ہے۔ جدید تنقیدی نظریات کے حوالے سے بھی یہ بات کی جا سکتی ہے کہ کوئی بھی لفظ کسی ایک معنی کے لیے مخصوص نہیں ہوتا۔ سماجی اور ثقافتی تغیّر لفظ کو نئے سے نیا معنی دیتا چلا جاتا ہے۔

اس عمل میں لفظ کی مفرد حیثیت لغوی اعتبار کی حد تک تو تسلیم کی جاتی ہے تاہم متن میں معنی کا سلسلہ اُس متن میں سیاق وسباق ہی کے تناظر میں ممکن ہو سکتا ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ معنی خیزی کے اِس تسلسل کو سیاق وسباق سے دوام مل سکتا ہے تو یہ بات غلط نہ ہوگی۔ ہمارے اردگرد، روزمرہ زندگی میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کے مروّج معنی ثقافتی حیثیت کے حامل ہیں اور لغوی اعتبار سے بہت سے الفاظ ایک ہی وقت میں دو یا دو سے زیادہ متضاد معنی دیتے ہوئے نظر آتے ہیں تاہم متنی سیاق وسباق



Marfat.com

ہی لفظ کے معنی کو متعیّن کرنے کا فریضہ انجام دیتا ہے۔

لفظ اور معنی کے حوالے سے بہت کچھ مزید کہا جا سکتا ہے تاہم سرِ دست شاہد محمود وڑائچ کی ''صدائے حکمت'' پیشِ نظر ہے۔ یہ کتاب بھی لفظ، اس کے استعمال، اس کے لغوی اور پھر مروّج معنوی پرتوں کے حوالے سے ہمارے سماجی، اخلاقی اور مذہبی ڈسکورس کو سامنے لاتی ہے۔ اگر چہ لسانی حوالے سے اس میں بحث طلب نکات بھی موجود ہیں مگر ایک درد مند دل کے ساتھ کیا جانے والا یہ تجزیہ اصلاحی نقطۂ نظر کی وضاحت کرتا دکھائی دیتا ہے اور یقیناً اس کتاب کے پسِ پردہ محرکات میں غالب پہلو اسی درد مندی کا قابلِ تحسین جذبہ ہے۔

یہ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے جن میں پہلے تین ابواب میں بالترتیب 'الفاظ'، 'روزمرہ ومحاورات' اور 'عمومی' حوالے سے الفاظ، اس کے لغوی معنی اور پھر اس کے استعمال پر بحث کی گئی ہے اور اُن الفاظ ومحاورات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے جو اگر چہ ہمارے یہاں مخصوص مذہبی واخلاقی تناظر میں رائج ہیں مگر وقت کے ساتھ ساتھ ان کا استعمال منفی اقدار واشخاص کے حوالے سے بھی ہونے لگا ہے۔ مثال کے طور پر فاضل مصنّف نے لفظ حضرت، خلیفہ، حافظ، حاجی، دیندار وغیرہ ایسے الفاظ، نماز چھڑانے گئے روزے گلے پڑ گئے، حضرت فاطمہؓ کی جھاڑو پھرے، آنتوں کا قل ہو اللہ پڑھنا، اللہ میاں کی گائے وغیرہ جیسے روزمرہ ومحاورات نیز نیو بسم اللہ، نیو ما شا اللہ، مکہ کولا، شیخ القرآن، شیخ الحدیث جیسے عمومی مروج الفاظ اور ان کے استعمال پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

کتاب کا خاص حصہ اس کا مقدمہ اور چوتھا باب ہے جس میں فاضل مصنّف نے بڑی وضاحت کے ساتھ اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کی ہے اور جہاں وہ پُر خلوص اور درد مند دل کے حامل شخص اور باعمل مسلمان کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ یہ وضاحتیں



Marfat.com

لفظ کے بامعنی اور برمحل استعمال اور لفظوں سے جڑی ہماری سماجی، ثقافتی، ادبی اور مذہبی ساخت اور روایات کی آئینہ دار ہیں۔ اگرچہ آج جدید تنقیدی تھیوری لفظ کے متعیّن اور طے شدہ معنی کے حامل نقطۂ نظر کے برخلاف معنی کے التوا اور غیاب کو نمایاں کر کے معنی کی ثقافتی ساخت پر زیادہ زور دیتی اور تکثیریت کو کسی بھی متن کی تفہیم کے ضمن میں اوّلین شرط قرار دیتی ہے تاہم یہ بات بھی محلِ نظر رہنی چاہیئے کہ بہت سے متون اپنے مخصوص تناظر میں معنی کی اجتہادی تعبیر کرتے ہیں اور یہ اجتہادی تعبیر ایک خاص زمان و مکاں میں ترسیلِ معنی کا ذریعہ بنتی ہے۔ فاضل مصنّف نے مقدمہ میں جن امور کو مدِ نظر رکھا ہے اُن میں سے چند قابلِ غور ہیں:

''اِس وقت ہمارے اردو ادب کے اندر اسلامی کلچر، تہذیب، تمدن، اقدار اور روایات سے متصادم ایسے کئی الفاظ، فقرات، محاورات اور روزمرہ کا استعمال جاری ہے جن کے بارے میں ہم نے کبھی سوچا ہی نہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟''

''چونکہ زبان کا ارتقا ایک دن یا ایک سال کی پیداوار نہیں بلکہ یہ صدیوں پر محیط سفر کا نام ہے۔ ایک نسل کی وراثت، ایک غیر محسوس انداز میں، اگلی نسل کو منتقل ہوتی ہے۔ مدتوں بعد رویوں کو زبان ملتی ہے۔ شعرا اور ادبا معاشرے کے ان رویوں اور رجحانات کو اپنے انداز میں بیان کرتے ہیں اور ان کی تشکیل بھی کرتے ہیں۔ لیکن اکثر اوقات الفاظ، محاورات، تراکیب اور روزمرہ کی حد تک وہ گذشتہ سے پیوستہ کی رو میں بہہ جاتے ہیں۔''

''ایک طرف اس کے مقاصد میں عوام الناس کو چند حقائق سے روشناس کرنا ہے تو دوسری طرف اہلِ قلم کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلانا ہے جبکہ تیسری طرف اہلِ تحقیق کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانا ہے کہ وہ وقت کے بدلتے تقاضوں



Marfat.com

کے پیشِ نظر تطہیرِ ادب کے لیے اپنے قدم آگے بڑھائیں۔''

''مدتوں سے ہمارا ادبی سرمایہ تطہیر اور کانٹ چھانٹ کے عمل سے نہیں گزرا، اس لیے اس میں کئی ایسی چیزیں شامل ہوگئی ہیں جو زبانِ حال سے پکار پکار کر اصلاحِ احوال کا تقاضا کر رہی ہیں۔''

اِن اقتباسات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فاضل مصنّف نے زبان و ادب کی تطہیر کے حوالے سے جس بصیرت سے کام لیا ہے وہ ان کے دردمند دل کی آواز ہے۔ بلاشبہ ناقدین اور ماہرینِ زبان ان کی آرا سے اختلاف کرنے کا حق رکھتے ہیں مگر اُس خلوص سے انکار نہیں کیا جا سکتا جو اس کتاب کا بنیادی محرک بنا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم چودھری
وائس چانسلر
سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا

●●●



Marfat.com

# ''صدائے حکمت'' کی صدا

سماج کے رویے پر تحقیق کرنے والے عموماً اُن تبدیلیوں کا جائزہ لیتے ہیں جن کے اثرات سے سماج کے ظاہری چال ڈھال اور رنگ ڈھنگ میں فرق محسوس ہوتا ہو۔ وہ اکثر ایسی باتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو غیر محسوس طریقے سے سماج میں داخل ہوگئی ہوں اور اُن کے اثرات کو کسی ظاہری پیمانے سے نہ ناپا جا سکے لیکن بہت ہی باریک بینی سے تحقیق کرنے اور سوچنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے غیر محسوس عوامل سماج کا رخ یکسر بدل دیتے ہیں اور وہاں بسنے والوں کو اپنا رخ بدل جانے کا احساس تک نہیں ہوتا جیسے ریگستان کے سفر میں ریت کے طوفان میں مسافر کا رخ بدل جائے اور وہ بے خبری میں منزل کی مخالف سمت چلتا چلا جائے۔ بالکل ایسے ہی ریت کے طوفان نے برصغیر میں اردو زبان بولنے والی مسلمان قوم کو نہ جانے کب آ گھیرا۔ مذہب کے نام پر تن من دھن قربان کر دینے والے یہ لوگ اپنی روزمرہ بول چال اور لکھائی پڑھائی میں ایسی غلطیاں اپنا بیٹھے جن پر فکر کیا جائے تو گنہگار ہونے کی فکر لاحق ہو جائے لیکن



Marfat.com

مسئلہ یہی ہے کہ وہ گنہگار رویے جو انجانے میں اردو زبان بولنے والے مسلمانوں کی روزمرہ بول چال میں شامل ہو گئے اُن کی نشاندہی کی کسی کو فکر لاحق نہ ہوئی اور گناہ لسانی تہذیب بنتے چلے گئے۔ زیرِ نظر کتاب ''صدائے حکمت'' روزمرہ اردو بول چال اور لکھائی پڑھائی کے دوران بے خبری میں گنہگار ہونے والے مسلمانوں کو خبردار کرنے کی ایک کتاب ہے۔

اس کتاب کی اہمیت کی تشریح یوں کی جاسکتی ہے کہ گہری نیند سوئے فرد کے چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے جائیں تاکہ وہ جلد جاگ جائے۔ کتاب کے مصنّف ''شاہد محمود وڑائچ'' پیشے کے اعتبار سے قانون/ پراسیکیوشن سے وابستہ ہیں لیکن انہوں نے اردو زبان وادب کے مطالعے کے نچوڑ سے اردو زبان میں داخل ہونے والے اُن غیر محسوس گناہوں کی نشاندہی جس انداز سے کی ہے وہ اُن کے اندر چھپے ہوئے ایک مشتاق محقق کا پتہ دیتا ہے۔

اس کتاب کو بنیادی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جس میں پہلا حصہ وہ الفاظ ہیں جن کو استعمال کرنے سے مسلمانوں یا اُن کے اقدار کا تمسخر اُڑایا جاتا ہے۔ دوسرے حصے میں اردو زبان کے ایسے محاورات شامل ہیں جن کو ادا کرنے والا گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ تیسرا حصہ ایسے عمومی الفاظ اور رویّوں پر مشتمل ہے جن کے ذریعے ہم اپنا دنیاوی کاروبار چمکانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اس سے مذہب کی روح کو کتنا نقصان پہنچتا ہے اس کا احساس ہمیں نہیں ہوتا۔ اس باب میں یہ نشاندہی بھی کی گئی ہے کہ مسلمانوں کی بے حد محترم ہستیوں کے حوالے سے رکھے گئے نام بگاڑ کر بولے جانے کا رواج بھی عام ہو گیا ہے۔ چوتھے اور آخری باب میں مصنّف نے پوری کتاب کا عرق نکال کر پیش کیا ہے۔ ہم اِسے مصنّف کے دل سے اٹھنے والی سسکیاں



Marfat.com

بھی کہہ سکتے ہیں جو اِن غلط سماجی اور لسانی رویوں کے باعث اُن کے انگ انگ سے نکل رہی ہیں۔

ہمارے ہاں فائیوسٹار ہوٹلوں کے بڑے دروازے پر ایک دربان کھڑا ہوتا ہے جو شلوار قمیض اور شیروانی پہنے ہوتا ہے۔ اُس کے سر پر اونچے شملے والی پگڑی ہوتی ہے۔ وہ مہمانوں کو ادب سے سلام کرتا ہے اور بڑھ کر دروازہ کھولتا ہے۔ ہم اسے ہوٹل کا مہذب رویہ سمجھتے ہیں لیکن سوچا جائے تو یہ برصغیر کے مسلمان حکمرانوں کی ثقافت اور روایت کی بے عزتی ہے۔ اگر آپ ''صدائے حکمت'' کا مطالعہ کریں گے تو یقیناً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ہماری روزمرہ اردو بول چال اور لکھائی پڑھائی میں شامل ہونے والے یہ الفاظ بھی ہمارے مذہب اسلام کے حوالے سے غیر مناسب ہیں لیکن اس طرف توجہ نہیں دی جارہی۔ پہلے پہل جب مضبوط مشترکہ خاندانی نظام ہوتا تھا تو گھر کی بڑی بوڑھیاں بچوں کو مذہبی تہذیب سکھاتی تھیں۔ وہ خاندانی نظام ختم ہونے سے درس وتدریس کا یہ اعلیٰ خاندانی سلسلہ بھی ختم ہوگیا۔ ایسی صورت میں ہمارے مذہبی رویے جن خطرات سے دوچار ہیں اُن کا فکر کب اور کون کرے گا؟

''شاہد محمود وڑائچ'' جیسے محقق سماج کے ڈاکٹر ہوتے ہیں۔ اُن کا کام بیماری کی تشخیص کرنا اور علاج میں رہنمائی کرنا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر کے نسخے سے فائدہ اٹھانا مریض کا کام ہوتا ہے۔ ''صدائے حکمت'' جیسی کتاب ہمارے درسی نصاب میں شامل ہونی چاہیے تاکہ بچے ابتداء سے ہی اُن الفاظ یا محاوروں کو ذہن میں رکھیں جو ہمارے مذہب کی روح کے خلاف ہیں۔ اس کتاب کی ایک اور خاص بات یہ بھی ہے کہ اگر اسے نظریاتی اعتبار سے نہ پڑھا جائے تب بھی اس کی تحریر کسی بہترین ادبی شاہکار سے کم نہیں۔ مصنّف کے قلم سے لکھے ہوئے جملے چلتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں، الفاظ بولتے



Marfat.com

ہیں اور خیالات چمکتے ہیں۔ ''شاہد محمود وڑائچ'' نے ''صدائے حکمت'' لکھ کر نہ صرف اردو زبان کو بہت قیمتی تحفہ دیا ہے بلکہ اُس فرض سے بھی سبکدوش ہوئے ہیں جو ایک باشعور شہری کا فرض ہوتا ہے۔

سیّد سردار احمد پیرزادہ
کالم نگار ''صاف صاف'' روزنامہ نوائے وقت
چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''اخبار اردو''
ادارہ فروغ قومی زبان
اسلام آباد



Marfat.com

# ''صدائے حکمت .... ایک منفرد تصنیف''

معاشرتی خرابیوں کی اصلاح اور تحقیق و جستجو کا عمل اتنا مشکل اور پیچیدہ فرائض ہیں کہ عصرِ حاضر کی مسائل زدہ اور مصروف زندگی میں اُلجھا ہوا انسان انہیں ادا کرنے سے قاصر ہے۔ اسلامی شعائر، مشرقی اقدار اور ادبی روایات کی دشمن قوتوں نے دوسرے شعبہ ہائے زندگی کی طرح ہماری اخلاقیات اور گفتار پر بھی کاری ضرب لگائی ہے۔ جس کے نتیجے میں آج ہمارا مذہبی، مشرقی اور ادبی تشخّص دُھندلا پڑ رہا ہے۔ اس کی ایک وجہ ہماری روزمرہ مبہم، ذومعنوی اور غیر شائستہ گفتگو ہے۔ کسی دانشور کا قول ہے کہ ''گفتگو شخصیت کی آئینہ دار ہوتی ہے'' مگر افسوس کہ ہمارے ہاں غیر تعلیم یافتہ طبقے کی طرح تعلیم یافتہ طبقہ بھی دورانِ گفتگو اس بات کا خیال نہیں رکھتا کہ نجی یا اجتماعی محافل میں بات چیت کے اخلاقی، مذہبی، ادبی، لسانی اور معنوی تقاضے کیا ہیں۔

ذہنی کیفیات اور قلبی جذبات کے اظہار کے لیے مناسب اور شائستہ الفاظ کا استعمال مہذب اور تعلیم یافتہ لوگوں کی اوّلین ترجیح ہوتا ہے مگر بدقسمتی سے ہم نے کبھی



Marfat.com

یہ زحمت گوارہ نہیں کی۔ ہم جن الفاظ، محاورات، ضرب الامثال، اشعار اور کہاوتوں کو جذبات اور نفسانی تسکین کا سامان سمجھتے ہوئے ان سے وقتی طور پر حظ اٹھا لیتے ہیں اُن کے معنوی پہلوؤں پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم زبان و بیان کے معاملے میں کس قدر غفلت کے مرتکب ہوتے ہیں۔

یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہے کہ اردو زبان دنیا کی چند بڑی زبانوں میں شمار ہوتی ہے اور ضرب الامثال، محاورات، تراکیب یا کہاوتوں کے استعمال نے اس زبان کے دامن کو وسعت دینے اور اسے پُر تاثیر بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے لیکن اس امر سے انکار بھی ناممکن ہے کہ اہل ادب نے مذکورہ ضرب الامثال، محاورات اور کہاوتوں کے فکری یا معنوی پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر ان کی مناسب اصلاح کا فریضہ انجام نہیں دیا۔

اس صورتِ حال میں محترم ''شاہد محمود وڑائچ'' نے ''صدائے حکمت'' کے عنوان سے یہ کتاب مرتب کر کے نہ صرف اردو زبان و ادب کے ذخیرے میں نمایاں اضافہ کیا ہے بلکہ اردو بولنے والوں کو ان کی روزمرہ گفتگو کے ضمن میں اصلاح کا سامان بھی فراہم کیا ہے۔

''شاہد محمود وڑائچ'' کا اندازِ بیاں اس قدر آسان اور عام فہم ہے کہ قاری دوران مطالعہ کسی الجھن کا شکار نہیں ہوتا اور بلا خوف الفاظ کے سمندر میں اترتا چلا جاتا ہے۔ ''شاہد محمود'' کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ انہوں نے روزمرہ گفتگو کے حوالے سے مختلف الفاظ، ضرب الامثال، محاورات یا کہاوتوں کے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے مدلل انداز اختیار کیا ہے اور اس سلسلے میں مستند عربی و اردو لغات سے استفادہ کر کے اپنی تصنیف کو مستند بنانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اس لحاظ سے ''صدائے حکمت'' کو



Marfat.com

کسی حد تک تحقیقی کتاب بھی کہا جا سکتا ہے۔

میں ''شاہد محمود وڑائچ'' کو اس کامیاب کوشش پر خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ ان کی یہ تصنیف اردو زبان و ادب اور تحقیق و جستجو کے میدان میں نمایاں کامیابیوں سے ہمکنار ہو۔


ڈاکٹر پروفیسر سید اخلاق حسین شمسی

پرنسپل گورنمنٹ ماڈل ڈگری کالج، ماڈل ٹاؤن

لاہور




Marfat.com

# مقدمہ

خیراور شر کی کشمکش آغازِ آفرینش سے ہی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔ نیکی اور بدی کی قوتوں کے درمیان جاری اِس جنگ میں آخری فتح نیکی، سچائی اور اچھائی ہی کی ہوتی ہے۔ تاہم کبھی کبھی بظاہر ایسا دکھائی دیتا ہے کہ جیسے شر کی قوتوں نے چہار سو گھیرا ڈال لیا ہو اور دور تک تاریکی، یاسیت اور الجھاؤ کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ شر کے فریب نمایاں سے نمایاں تر ہو کر حساس قلب و نظر پر کچوکے لگاتے ہیں۔ مگر یہ کیفیت وقتی، لمحاتی اور عارضی ہوتی ہے۔ باطل کا غلبہ محض فریبِ نظر اور سراب ہوتا ہے۔ حقیقت کے چراغ کبھی گُل نہیں ہوتے۔ جوں جوں تاریکی کی چادر دبیز ہونے لگتی ہے توں توں اِن چراغوں کی لو اور جگمگانے لگتی ہے۔ امید، یقین، سچائی، فکر، عزم اور عملِ مسلسل کے جلتے ہوئے چراغ، غیر محسوس انداز میں، دھیرے دھیرے، تاریکی کو ختم کر کے ہر سُو اُجالا کر دیتے ہیں۔ اور پھر عین اُس وقت جب خیر کا سورج نصف النہار پر ہوتا ہے، بدی، شر یا تاریکی کا کوئی نہ کوئی بیج کسی زنگ آلود دِل میں جڑ پکڑ رہا ہوتا ہے۔ یہ جڑ اندر ہی اندر قوت پکڑتی ہے اور پھر جہاں کہیں سے اِس کو زمین نرم اور کمزور دکھائی



Marfat.com

دیتی ہے وہاں سے وہ اپنا راستہ بنا کر چپکے چپکے زہر اُگلنا شروع کر دیتی ہے۔ایک طرف یہ زہر پھیلنا شروع ہوتا ہے تو دوسری طرف اِس کا تریاق بھی ایک خود کار نظام کے تحت وجود میں آجاتا ہے۔فطرت کی یہ مسلسل آنکھ مچولی اور شب و روز کی گردش سمجھنے، سوچنے، فکر کرنے، تدبّر کرنے، محسوس کرنے اور مشاہدہ کرنے والوں کے لیے اپنے اندر لامتناہی حقائق، بصیرت اور اسرار رکھتی ہے۔

کائنات کے اِن رنگوں اور قرینوں میں اسلام ہی وہ ازلی و ابدی رنگ ہے جو مقصود کائنات ہے۔اسلام کی عظمت، سر بلندی، مثالیت اور حقانیت کا سب سے تابناک، مثالی، لازوال اور قیامت تک کے لیے قائم دور آپ ﷺ کا دور ہے۔یہی وہ دین ہے جس کو اب قیامت تک کے لیے قائم کر دیا گیا ہے۔قرآن پاک، احادیث مبارکہ اور اُن کا عملی نمونہ، آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی شکل میں انسانی زندگی کے ہر ہر گوشے کے لیے ہدایت اور راہنمائی فراہم کرتا ہے۔خیر کے اُس مثالی دور میں شر کی قوتیں انتہائی پستی میں چلی گئیں۔مشرکین، منافقین اور ہنود و یہود اپنی اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں لگے رہے مگر اُن کا کوئی بھی وار کارگر نہ ہوا۔ہر بار اُن کو عبرت ناک عزیمت سے دوچار ہونا پڑا۔تاہم اندر ہی اندر اُن کے دل کرب میں مبتلا رہے۔

خلافتِ راشدہ کے دور میں بھی اِن سازشی عناصر نے گاہے بگاہے کئی محاذوں پر سر اُٹھانے کی کوششیں مسلسل جاری رکھیں۔اس کے ساتھ ساتھ اسلامی سرحدوں کی وسعت اور نو مسلموں کے جوق در جوق اسلام قبول کرنے سے کئی قسم کے تہذیبی و ثقافتی معاملات اور مسائل بھی پیدا ہوئے۔ان سب کی آڑ میں منفی طاقتوں کو اپنی سازشیں کرنے اور پاؤں پھیلانے کا موقع مِل گیا۔انہوں نے مختلف مذہبی افکار، نظریات، خیالات اور سوچوں کو عقیدے کا رنگ دے کر مسلمانوں کو نظریاتی طور پر کمزور کرنے



Marfat.com

اور فساد پیدا کرنے کا ایک طویل سلسلہ شروع کیا۔ کہیں قرآنِ پاک کو مخلوق اور غیر مخلوق تسلیم کرانے کا جھگڑا شروع ہوا تو کہیں اِس کے قدیم و حادث ہونے پر بحث کا آغاز کیا گیا۔ ایک طرف جبریہ عقائد کا پرچار سامنے آیا تو دوسری طرف قدریہ نے اپنا سر اُٹھایا۔ کبھی اللہ کی ذات کو صفات میں بیان کرنے پر ہاتھ گریبان تک پہنچے تو کبھی صفات کو ذات میں منوانے کے لیے جبر کا راستہ اختیار کیا گیا۔

ایک بار جو فروعات پر بحث و مباحث اور اپنی ذات کو منوانے اور نمایاں کرنے کا سلسلہ شروع ہوا تو پھر امن، رواداری، خلوص، بُردباری، تحمّل، برداشت اور حُسنِ ظن وغیرہ جیسے اخلاقِ حسنہ بہت پیچھے رہ گئے اور خودنمائی، سطحیت، شر، فتنہ اور فساد کے سلسلے دراز سے دراز تر ہوتے چلے گئے۔ اِن میں سے بعض فتنے تو وقت کے ساتھ ساتھ دم توڑتے گئے اور کچھ رنگ بدل کر نور، بشر، علمِ غیب اور حاضر و ناظر جیسی شکلوں میں جاری رہے۔ فکری اختراعات کے ان مسلسل جاری سلسلوں کو مردانِ حق کی بصیرت آج بھی گاجر مولی کی طرح کاٹ رہی ہے۔ کبھی کبھی سادہ لوح مسلمان وقتی طور پر ان ریشہ دوانیوں کا شکار بھی ہو جاتے ہیں مگر منظر جلد ہی بدل جاتا ہے۔ کیونکہ متلاشیانِ حق بھی مسلسل اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں سچائی قبول کرنے والوں کی مشکلات دور ہوتی رہتی ہیں۔

ماہ و سال کی اس گردش میں، زندگی کے دوسرے گوشوں کی طرح ہمارے ادب کا دامن بھی بہت بُری طرح داغدار ہوا ہے۔ اس میں کچھ کمال تو ان منفی قوتوں کا ہے جو مسلسل اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں اور کچھ حصہ ہماری اپنی سادہ لوحی اور غافلانہ رویہ کا ہے۔ اِس وقت ہمارے اردو ادب کے اندر اسلامی کلچر، تہذیب، تمدن، اقدار اور روایات سے متصادم ایسے کئی الفاظ، فقرات، محاورات اور روزمرہ کا استعمال جاری ہے جن کے بارے

Marfat.com

میں ہم نے کبھی سوچا ہی نہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ اغیار ہیں کہ مختلف محاذوں پر اپنے ہنر کے تانے بانے بن رہے ہیں اور ہم ہیں کہ اُن کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے ہیں۔ اس بات سے یکسر غافل کہ جس دھارے میں ہم بہہ رہے ہیں اِس کا انجام کیا ہوگا؟

انگریزی ادب اور دوسرے ادب ہائے کے اثرات تو ایک طرف، خود ہمارے اُردو ادب کے نقیب اور تقلید کار عجیب عجیب سے بیج بوتے جا رہے ہیں۔ صاف دکھائی پڑتا ہے کہ کہیں ہم ''ففتھ کالم'' کے ہاتھوں مات ہو رہے ہیں تو کہیں ہم خود اپنے راستے میں گڑھا کھود رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ لفظی بازی گری، غفلت اور ''ایہام گوئی'' جیسی تحاریک نے اردو ادب کے اندر رفتہ رفتہ ایسی لغو اور تکلیف دہ چیزیں شامل کر دی ہیں کہ جن کا استعمال ہم شعوری اور لاشعوری طور پر کرتے چلے جا رہے ہیں۔ اِس بات سے یکسر بے خبر کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ کدھر جا رہے ہیں؟ کیا یہ استعمال درست ہے یا غلط؟ کیا یہ ہمارے شایانِ شان بھی ہے کہ نہیں؟ ہمیں کچھ فکر اور رنج ہی نہیں کہ ہمارے اِس عمل سے ہماری آنے والی نسلوں پر کیا اثرات مرتب ہوں گے.....!

ان الفاظ اور محاورات وغیرہ کے اعتبار سے ہمارا ادبی ذخیرہ آج جس مقام پر کھڑا ہے اس کے پیچھے کئی عوامل کارفرما رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں اہلِ قلم، اہلِ ادب، اہلِ ذوق، اہلِ فلسفہ، شعراء اور زبان و بیان کے مؤلفین و مترجمین کے ساتھ ساتھ عوام الناس کے طرزِ فکر اور طرزِ عمل کو بھی دیکھنا اور پرکھنا ہوگا۔ چونکہ زبان کا ارتقاء ایک دن یا ایک سال کی پیداوار نہیں بلکہ یہ صدیوں پر محیط سفر کا نام ہے۔ ایک نسل کی وراثت، ایک غیر محسوس انداز میں، اگلی نسل کو منتقل ہوتی ہے۔ مدتوں بعد رویوں کو زبان ملتی ہے۔ شعراء اور ادباء معاشرے کے ان رویوں اور رجحانات کو اپنے انداز میں بیان کرتے ہیں اور ان کی تشکیل بھی کرتے ہیں۔ لیکن اکثر اوقات الفاظ، محاورات، تراکیب اور

Marfat.com

روز مرہ کی حد تک وہ ''گزشتہ سے پیوستہ'' کی رو میں بہہ جاتے ہیں، جو ''چل رہا ہے اسے ہی چلائے جاتے ہیں'' اور بہت کم چھان بین کی چھلنی سے کام لیتے ہیں۔اس وجہ سے بھی کچھ ادبی مواد کا استعمال جاری رہتا ہے۔

یہاں پر یہ امر بھی توجہ کا حامل ہے کہ افراد کے رویے کیسے بنتے اور بگڑتے ہیں۔ایک بار راقم الحروف کو ایک ایسی محفل میں جانے کا اتفاق ہوا۔جہاں پر چند لوگ اپنی روز مرہ گپ شپ اور ہنسی مذاق میں مصروف تھے۔ان میں سے جب بھی کوئی شغل کی بات کرتا یا ایسی بات کہتا کہ جس سے مزاح کا پہلو نکلتا تو دوسرے بے اختیار اونچی آواز میں، الفاظ کو خاصا کھینچ کر (ایک مخصوص لہجہ میں) سبحان اللہ کہتے اور سب مل کر اس پر بلند آواز میں قہقہہ لگاتے.....! جانے ان کی یہ عادت اور انداز کب سے تھا....؟ محفل برخاست ہوئی.....! ایک دو کو علیحدہ کر کے ان کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی گئی کہ بھائی آپ کیا کر رہے ہیں؟ کیا کہہ رہے ہیں؟ کچھ سوچا ہے آپ نے کہ یہ مقدس کلمات ہیں اور آپ ان کا استعمال کس مقام پر اور کس انداز سے کر رہے ہیں؟ تھوڑا توجہ دلانے سے بات ان کی سمجھ میں آگئی اور آئندہ کے لیے توبہ بھی ہوگئی....!

معاشرتی رویے ایسے ہی بنتے اور بگڑتے ہیں۔تلاوت سنتے ہوئے سبحان اللہ کہنا کیا مقام رکھتا ہے اور ایسے ہی ہنسی مذاق کے جواب میں کہنا کیا معنی رکھتا ہے؟ ایسا کرنے والوں کو اکثر اوقات تو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ جب تک کسی چیز پر کچھ سوالات نہیں اٹھائے جاتے تب تک بہتری ممکن نہیں ہوتی یا پھر فطرت از خود کسی کی راہنمائی کر دے تو اور بات ہے....!

اسی طرح سے بالکل غیر محسوس انداز میں غلط العام عوام میں رائج ہو جاتے ہیں جو ایک خاص مدت گزرنے کے بعد مستعمل سمجھے جاتے ہیں۔لیکن کچھ چیزیں بے



UNIVERSITY LIBRARY

Marfat.com

حد احتیاط کا تقاضا کرتی ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی قطع و برید بے حد ضروری ہوتی ہے۔ یہ کام اہلِ ادب و ہنر کا ہے۔ اسی طرح سے لوگوں کے اپنے رویے اور کردار بھی ہوتے ہیں جو اس بگاڑ کی وجہ بنتے ہیں۔ آج اگر ایک فرد کو ''حاجی'' کے نام سے طنزاً پکارا جاتا ہے تو اس کے پیچھے بھی ایک مکمل تاریخ اور ایک بھرپور کردار ہے۔ سال ہا سال کے لوگوں کے رویے ہیں۔ حج ادا کرنے کے بعد بھی اگر کچھ لوگوں نے اس بات کا لحاظ نہیں رکھا اور ان کے دل اور رویے پہلے سے بھی سخت، درشت اور ابتر ہو گئے ہیں۔ نہ تو وہ خود ہی درست ہوئے ہیں نہ ہی ان کے معاملات سنورے ہیں۔ گھر بار سے لیکر کاروبار تک وہ منافقت اور جھوٹ سے کام لینا نہیں چھوڑتے تبھی تو ان کے بارے میں ایسا سوچا، سمجھا اور کہا جا رہا ہے۔ اسی لیے تو علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ

زائرانِ کعبہ سے اقبالؔ یہ پوچھے کوئی
کیا حرم کا تحفہ زم زم کے سوا کچھ بھی نہیں

جب کہ دوسری طرف اہلِ مغرب، کچھ دوسرے مذاہب اور اقوام کے پاس ایسی خود ساختہ رعائیت موجود ہے۔ ان کو ان کے اپنے قوانین اور معاشرتی رویے اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ جو چاہیں کہیں اور کہتے پھریں.....! اس سلسلہ میں ان کے لیے ''ہائیڈ پارک'' جیسی جگہیں بھی موجود ہیں (یہ الگ بات ہے کہ آج وہ اپنی ہی بے لگام آزادی کے ہاتھوں پامال ہیں۔) چونکہ اسلام ایک الہامی دین ہے اور قرآن پاک کی شکل میں ایک ایسا ضابطہ حیات موجود ہے جس کا معیار ابدی اور دائمی ہے۔ یہ دین لوگوں کی خواہشات کے تابع نہیں چلتا بلکہ لوگوں کے مزاج ایک خاص سانچے میں ڈھالتا ہے۔ اس کے مقابل دنیا کی کوئی دوسری بات نہیں ٹھہر سکتی۔ وقتی طور پر بہت خوبصورت نظر آنے والی بات اور فلسفہ بھی بہت جلد اپنے مفہوم کھو دیتا ہے۔



Marfat.com

وہ اقوام جو خواہشات اور وقتی تقاضوں کے تحت چلتی ہیں، ان کے مطابق، ان کے قوانین بدلتے رہتے ہیں، بنتے رہتے ہیں اور ٹوٹتے رہتے ہیں۔ مگر اسلام کے قوانین آفاقی اور اٹل ہیں۔ جہاں گنجائش ہے، وہاں خوب ہے۔ اجماع، قیاس، اجتہاد اور استحسان کا راستہ بھی کھلا ہے۔ اور جہاں گنجائش نہیں ہے، وہاں بالکل نہیں ہے۔ کچھ چیزیں، بلا دلیل، ہمارے ایمان کا حصہ ہیں۔ ان پر بات ہو سکتی ہے مگر ایک خاص حد تک۔ اس سے آگے عقل کی رسائی ممکن ہی نہیں.....! اللہ، فرشتے، روح، تقدیر، سزا، جزا، خیر، شر اور آخرت سب ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ اسی طرح سے نبی آخرالزمان حضرت محمد ﷺ، دوسرے انبیاءؑ اور آسمانی کتابیں سب ہمارے ایمان کے ستون ہیں۔ یہاں دلائل نہیں چلتے اور اگر چلتے بھی ہیں تو بس ایک حد ادب تک.....! وگرنہ تین سو ساٹھ (360) دلائل کے جواب میں بھی کہنا پڑتا ہے کہ جاؤ ''میں اللہ کو بغیر کسی دلیل کے ایک مانتا ہوں۔''

یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ اکثر اوقات ایک ایک لفظ اپنے کئی کئی معانی بھی رکھتا ہے اور وہ رائج الوقت بھی ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے بعض اوقات وہ ایک دوسرے سے متصادم اور متضاد بھی ہوتے ہیں اور ہو بھی سکتے ہیں۔ یہ زبان و بیان کا ایک حسن ہے۔ مگر ایک خاص حد سے آگے عیب بھی ہے۔ الفاظ کے ان باہم متضاد معانی کو ہم ہر جگہ نہیں آزما سکتے۔ کچھ شخصیات، مقامات اور اشیاء ان سب سے ماوراء ہوتی ہیں۔ وہاں پر ادب، احتیاط اور ایسے الفاظ و محاورات کے استعمال کے تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں۔ چلنے کو ساری زمین ہے۔ اس زمین پر بنی سڑکوں پر گاڑیاں بے تکان دوڑتی ہیں۔ قدم بے اختیار اور بے احتیاط اٹھتے چلے جاتے ہیں۔ مگر وہی سفر جب پہاڑی اور ڈھلوانی راستوں پر ہوتے ہیں تو طریقۂ کار بدل جاتے ہیں۔ وہی قدم جب مسجد کی طرف اٹھتے ہیں تو رفتار اور انداز اور ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سے قبرستان میں



Marfat.com

سے گزرتے ہوئے طرزِ فکر کسی اور ہی پیکر میں ڈھل جاتا ہے۔ یہ ادب اور سلیقے کی حد بندیاں ہیں جو فطرت نے کر رکھی ہیں۔ بات ان کے اندر اندر ہو تو کیا خوب ہے....! دریا اپنے کناروں میں رہے تو تعمیر ہے اور کناروں سے نکل جائے تو تباہی کا نشان ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''صدائے حکمت'' بھی حکمت کی ایک ایسی ہی صدا ہے۔ جس کا مقصد جگانا اور چونکانا ہے۔ ایک طرف اِس کے مقاصد میں عوام الناس کو چند حقائق سے روشناس کرنا ہے تو دوسری طرف اہلِ قلم کو اُن کی ذمہ داریوں کا احساس دلانا ہے جبکہ تیسری طرف اہلِ تحقیق کی توجہ اِس امر کی طرف مبذول کروانا ہے کہ وہ وقت کے بدلتے تقاضوں کے پیش نظر تطہیر ادب کے لیے اپنے قدم آگے بڑھائیں۔ یہ کاوش ٹھہرے ہوئے پانی میں ایک پتھر پھینکنے کی سی ہے۔ حساس دلوں پر ایک نشتر لگانے کی سی ہے تاکہ بے حسّی اور بے ادبی کا جمود ٹوٹے۔ اور دوسرے یہ کہ اگر اس سلسلہ کو یوں ہی چلنے دیا جائے اور کوئی بھی اس کی بہتری کے لیے اپنے کردار کا تعین نہ کرے تو پھر یہ اندازہ کرنا ہرگز مشکل نہیں کہ آنے والی چند دہائیوں کے بعد ہمارے تہذیبی و ثقافتی ورثہ اور اقدار کی کیا حالت ہوگی....؟

مجھے امید ہے کہ اللہ کے فضل سے تطہیرِ ادب کے لیے بہت سے کارواں چلیں گے اور یقیناً ایک روز، نہ صرف یہ کہ ہمارا ادب ہماری اسلامی روایات، تہذیب، تمدن، اقدار اور ثقافت کا نقیب ہوگا بلکہ ہمارے معاشرتی رویے میں بھی بہتری اور پختگی آئے گی۔ یہ ایک صدا ہے جو بازگشت کی صورت حساس قلب و نظر پر ایک دستک کی طرح ہے۔ اس پر اہلِ علم و ادب، اہلِ دل اور اہلِ نظر کی رائے میرے لیے بے حد اہمیت اور توجہ کی حامل ہے۔

شاہد محمود وڑائچ

سمبڑیال (سیالکوٹ)

smwarraich@yahoo.com



Marfat.com

# تشکّر نامہ

اس کتاب کی تکمیل کے حوالہ سے میں اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کی بے پایاں عنایات کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ اُسی کے لیے سب تعریفیں ہیں اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ اُسی کے حکم کا مفہوم ہے کہ "جو انسانوں کا شکر گزار نہیں ہوتا، وہ اُس کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔" اس لیے یہاں پر میں اپنے محسنوں، دوستوں اور پُر خلوص ساتھیوں کے ذکر کے بغیر خود کو ادھورا محسوس کرتا ہوں۔ گو یہ بات اپنی جگہ پر ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ میرے ایسے سب احباب کا ذکر ان سطور میں محال ہے مگر وہ اپنی اپنی جگہ اور مقام پر میرے لیے بے حد محترم ہیں۔ ان کا ذکر ان کہے حروف، جاری دعاؤں اور خانۂ دل میں احساس کی صورت ٹمٹما رہا ہے۔ حضرت بابا جی خالدؒ سے لے کر مجھ سے منسلک سبھی افراد نے اس کاوش کو سراہا ہے اور اپنے اپنے انداز میں میری راہنمائی کی ہے جس پر میں ان کا بے حد مشکور وممنون ہوں۔ یہ سفر شاید ادھورا ہی رہتا اگر مجھے بابا جی خالدؒ کی طرف سے بے پایاں محبّت، اعتماد، تعاون اور ذہنی استحکام میسر نہ آتا۔ اِس کے ساتھ ساتھ پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم چودھری، وائس چانسلر سرگودھا یونیورسٹی



Marfat.com

کا ذِکر کرتے ہوئے میرا دِل ادب اور احساسِ تفاخر سے بلند ہے کہ اُنھوں نے جس مدبرانہ، مفکّرانہ اور سر پرستانہ انداز میں اِس کاوش کو سراہتے ہوئے میری حوصلہ افزائی کی ہے وہ میرے لیے انمول اور آنے والے کل کے لیے ایک سنگِ میل ہے۔ میرے جذبات کو معروضیت کے دھارے میں لانے میں جو کردار میرے بھائی ڈاکٹر وحید افضل وڑائچ نے ادا کیا وہ اپنی جگہ پر مسلّم ہے مگر کیا کہنے گل شیر بٹ کے کہ جس نے جتنی باریکی، گہرائی اور سنجیدگی کے ساتھ اس کاوش کو کتاب کے قالب میں ڈھالنے کے لیے حاشیہ آرائی کی ہے وہ میرے دل میں گھر کر گئی ہے۔ کیسے شکریہ ادا کر سکوں گا میں اپنے بھائی سلمان علی طور کا کہ جو مجھے زندگی کی بے تاب راہوں میں اپنے ساتھ ایک مضبوط اور بااعتماد دوست کی صورت دم بقدم نظر آتا ہے۔ اسی طرح سے کرنل طاہر وحید صاحب نے جس جوش و جذبہ اور محبّت و خلوص کے ساتھ میری معاونت کی ہے وہ مجھے یہ کہنے اور سمجھنے پر مجبور کرتی ہے کہ ''ابھی دنیا میں بہت سے انسان موجود ہیں۔'' میں کیا کہوں محمد شعیب عدیل صاحب کے بارے میں جو میری ہر بات کو سنجیدگی اور احساس کے ان اُجلے جذبوں سے لیتے ہیں جو میرے دل میں ہمیشہ تازہ گلاب کی صورت مہکتے رہتے ہیں۔ یہ ذکر یقیناً نامکمّل ہی رہے گا اگر اس میں اپنے دوست شبیر احمد اور ان کی ''حسِ مزاح'' کا ذکر نہ کروں کہ جو ہر قدم میرے لیے مخلص، متحرک اور دعا گو رہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مجھے خوب احساسِ رفاقت ہے جناب محمد نواز شاہد، شاہد بیگ، محمد سلیم اختر، شاعرِ سیالکوٹ جناب شاہد ذکی اور پیئر کالج کے ''ہیڈ پیئر'' جناب ذیشان صاحب کا۔ میرے دل میں بڑا احترام ہے ڈسٹرکٹ پبلک پراسیکیوٹرز جناب کامران جاوید اور چوہدری علی حسن صاحب کا جو مجھے سدا محبّتیں اور آسانیاں فراہم کرتے ہیں۔ میں دعا گو رہتا ہوں اپنے بھائی فیض الحسن کے لیے کہ جس کی دن رات کی محنت، لگن اور کمپیوٹر ورک نے اس کتاب کی تکمیل کے لیے ایک



Marfat.com

کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ بہت ہی ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے دوستوں وحید احمد، فیض احمد بیلوی، ڈاکٹر دلنواز، تصدق حسین، امتیاز احمد، عبدالرحمٰن، عباس احمد، امتیاز کلّو، شفاقت علی، محمد اظہر بٹ، محمد سرور، محمد عارف، نواز گھمن، ناصر محمود اور دوسرے بے شمار احباب کا ذکر نہ کروں جن کی دعائیں اور خلوص ہمیشہ مجھے کچھ کرنے پر اُکساتا ہے۔



Marfat.com

# باب نمبر ۱

(بحوالہ الفاظ)

Marfat.com

Marfat.com

# حضرت

ہماری روز مرہ زندگی میں نامناسب طور سے استعمال ہونے والے الفاظ میں سے ایک لفظ حضرت ہے۔ محض ادائیگی، اظہار اور تاثرات کے ساتھ اِس لفظ کے معانی کو بالکل منفی انداز میں استعمال کیا جاتا ہے جو کہ بے حد تکلیف دہ اور نامناسب بات ہے۔ کسی دوسرے کو مخاطب کرتے وقت یا کسی اور پر اس کی غیر موجودگی میں تبصرہ کرتے ہوئے بالعموم کہا جاتا ہے کہ

تم بڑے حضرت ہو.....!

وہ بڑا حضرت ہے.....!

اِس سے اکثر مراد کسی قسم کی چالاکی، ہوشیاری، تیزی یا شرارت ہی لی جاتی ہے۔ اسی طرح سے محاورہ کے طور پر کہا جاتا ہے کہ

"بڑے حضرت ہیں"

جس کا طنزاً مطلب ہے کہ بڑے شریر ہیں۔ حالانکہ یہ لفظ سدا سے ہی مثبت ہے۔ نیک لوگوں، اولیائے کرام، صوفیائے کرام اور انبیائے کرام کے مبارک اور بابرکت



Marfat.com

ناموں کے ساتھ اِس لفظ کو نسبت ہے۔ ہم بڑی محبّت، عقیدت اور لگاؤ کے ساتھ اس کو ان ناموں کے ساتھ منسلک کرتے ہیں۔ جب ہمارے منہ سے حضرت آدمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور سب سے بڑھ کر حضرت محمد ﷺ ادا ہوتا ہے تو دل ادب اور احترام کے انوکھے جذبات سے لبریز ہو جاتا ہے۔ ایسے پروقار پس منظر کے حامل اس لفظ کے غلط استعمال کا کیا مطلب....؟

یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ پارس کے ساتھ چھو کر دھات بھی سونا بن جاتی ہے۔ لکڑی کے ساتھ لوہا بھی تیرنے لگتا ہے۔ تو پھر انتہائی محترم، قابل قدر، ذی وقار اور معزز ہستیوں کے ناموں کے ساتھ استعمال ہونے والے اِس لفظ کی بے توقیری کیوں؟ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ عالی مرتبت ہستیوں کے ساتھ منسوب ہونے والے اِس لفظ کے تقدس کو ہر صورت مقدم رکھا جاتا۔ مگر صورتِ حال اِس کے یکسر الٹ ہے۔

اس لفظ سے متعلّق اگر فیروز اللغات کو دیکھا جائے تو اِس کے معانی کچھ اِس طرح سے بیان کئے گئے ہیں۔

۱ قرب، نزدیکی، درگاہ

۲ جناب، حضور، قبلہ، تعظیم و عزت کا لقب

۳ چالاک، بدمعاش، بدذات، چلتا پرزہ، بے ڈھب، ذاتِ شریف۔ جمع: حضرات

جبکہ فرہنگِ آصفیہ کے مطابق حضرت کے معانی کچھ یوں ہیں:

۱ درگاہ، قرب، نزدیکی

۲ رسولِ مقبول، نبیٔ برحق حضرت محمد ﷺ

۳ جناب، حضور، قبلہ، ایک تعظیم و عزت کا لقب جو بادشاہوں اور



Marfat.com

بزرگوں کی نسبت سے بولا جاتا ہے۔

۴ بجائے تسلیم، آداب، سلام

۵ (صفت) شریر، بدذات، چالاک، بے ڈھب

اسی طرح ''اردو کلاسیکی ہندی اور انگریزی'' ڈکشنری کے مطابق حضرت کے معانی حسبِ ذیل ہیں:

> "presence, dignity, a little applied to any great man, the object of resort, your or his majesty, highness, excellency, eminence, worship or holiness........a consummate knave or rascal."

اس کے ساتھ ساتھ جامع اللغات اور اعجاز اللغات جدید کے مطابق ایک طرف اس لفظ کے معانی عزت و احترام کا خطاب، پیغمبروں کا خطاب، پیغمبر ﷺ، حضور، قبلہ، صاحب اور جناب بیان ہوئے ہیں تو دوسری طرف اس کا مطلب شرارتی، چالاک، شریر اور بدذات وغیرہ ظاہر کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں قاموس مترادفات میں بھی اس کے مثبت اور منفی دونوں قسم کے معانی بیان کیے گئے ہیں جبکہ لفظ حضور جو کہ لفظ حضرت کا تسلسل ہے کے تمام معانی مثبت بیان کیے گئے ہیں۔ دوسری طرف کچھ لغات میں اس کے سب کے سب مثبت اور باوقار معانی ہی بیان کیے گئے ہیں جیسا کہ سعیدی ڈکشنری/سعید اللغات کے مطابق حضرت سے مراد قرب، نزدیکی، درگاہ، قبلہ، جناب، حضور، تعظیم اور عزت کا لقب اور آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے۔

مندرجہ بالا صورتِ حال از خود اِس حقیقت کی مظہر ہے کہ مختلف لغات کے اندر بحیثیت مجموعی اس لفظ کو مثبت طور سے بیان کیا گیا ہے بلکہ بعض لغات، خاص طور پر سو،



Marfat.com

دوسوسال قبل کے ایڈیشنز میں یہ لفظ مکمّل طور پر مثبت بیان ہوا ہے۔ آہستہ آہستہ اس لفظ کا غلط استعمال شروع ہوا اور پھر اِس کو لغت کا حصہ بنا کر معصوم اذہان وقلوب اور آنے والی نسلوں کو بھٹکا دیا گیا۔ یہ رجحان ہر لحاظ سے قابلِ مذمت، قابلِ گرفت اور قابلِ اصلاح ہے۔

لغت میں جب دن کے مقابلہ میں رات، صبح کے مقابلہ میں شام، نزدیک کے مقابلے میں دور اور روشن کے مقابلے میں تاریک جیسے متضاد الفاظ موجود ہیں۔ تو پھر لفظ حضرت کے ساتھ یہ سلسلہ کیوں؟ اگر ہم دن کہہ کر رات یا روشن کہہ کر تاریک مراد لیں تو وہ کس قدر مضحکہ خیز صورتِ حال ہوگی۔ مگر پھر بھی ہوسکتا ہے کہ ادائیگی یا احساسات کے عمومی اظہار کی وجہ سے اِس تبدیلی سے ہمیں کوئی تکلیف نہ ہو کیونکہ اِن الفاظ کی کوئی خاص مذہبی نسبت نہ ہے۔ مگر ایک ایسا لفظ جس کی ایک خاص نسبت ہے۔ ایک خاص مذہبی وتاریخی پس منظر ہے۔ اس کے ساتھ یہ سلوک اہلِ نظر، اہلِ فکر، اہلِ کردار، اہلِ ادب اور اہلِ درد کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہے!

اردو ادب کے دامن میں ایسے متعدد محاورات، فقرات، الفاظ اور ضرب الامثال موجود ہیں کہ جن سے کسی فرد کے انداز واطوار اور کردار کے منفی رنگوں کی بھرپور عکاسی کی جاسکتی ہے۔ اور اگر اِس لفظ کو استعمال کیے بغیر چارہ نہ ہو تو اِس کو ''ح'' پر نقطہ ڈال کر لفظ خضرت بنا کر متضاد الفاظ کی فہرست میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ ویسے اِس کی ضرورت نہ ہے۔ اہلِ ادب کو لفظ حضرت کے تحت نامناسب طور پر مستعمل معانی کو ترک کر کے عوام الناس میں اپنے فن اور فکر سے بیداری، شعور اور آگاہی پیدا کرنا چاہیے۔ تاکہ ایک طرف ہم اپنے فرائض ادا کریں اور آنے والی نسلوں کو پاکیزہ، محترم، مستند، باوقار اور درست ادبی وثقافتی ورثہ منتقل کریں تو دوسری طرف ہم اللہ تعالیٰ کے دربار میں بھی سرخرو ہوسکیں۔



Marfat.com

# مُصلّی

عوام الناس میں کم ہی لوگ اِس بات سے آگاہ ہوں گے کہ لفظ مُصلّی کا مطلب ہے

۱ مُصلّے پہ کھڑا ہونے والا

۲ نماز ادا کرنے والا

۳ نمازی

جبکہ وہ اس کے روزمرہ استعمال کی وجہ سے اِن مفہوم سے زیادہ واقف ہیں کہ مصلی کا مطلب ہے:

۱ خاکروب

۲ چوڑا

۳ چمار

۴ جھاڑوکش

۵ معاشرے کا ایک محروم وپسماندہ طبقہ

فرہنگِ آصفیہ کے مطابق لفظ مصلّی کا مطلب کچھ یوں ہے:



Marfat.com

۱ نماز پڑھنے والا، نمازگزار، نمازی، نبیؐ پر درود بھیجنے والا

۲ نومسلم خاکروب جو مسلمان ہو جانے کی وجہ سے میلا (کوڑا کرکٹ) اٹھانا چھوڑ دیتے ہیں اور صرف صفائی کا کام اپنے ذمہ رکھتے ہیں۔ شیخ، شیخڑا

۳ وہ مساکین جو مردے کے دسویں، بیسویں اور چہلم وغیرہ کا کھانا کھاتے ہیں۔ فاتحہ کا کھانا کھانے والے۔ لِلّٰہ فی اللہ لینے والے۔

مزید یہ کہ بطور محاورہ "مُرغِ مصلّیٰ" کا مطلب ہے، وہ شخص جو بظاہر نمازی مگر باطن میں مکار ہو۔ اس کی مزید وضاحت قطعہ امیرؔ کی صورت کچھ یوں بیان کی گئی ہے۔

ہے مؤذن جو بڑا مرغ مصلّی اس کی
مستوں سے نوک ہی کی بات چلی جاتی ہے
پاؤں رکتا نہیں مسجد سے دمِ آخر بھی
مرنے پر آیا ہے پر لات چلی جاتی ہے
ہر سحر در پئے آزار مئے آشاماں ہے
مکر و طامات کی اک گھات چلی جاتی ہے
ایک ہم ہی سے تفاوت ہے سلوکوں میں امیرؔ
یوں تو اوروں کی سدارات چلی جاتی ہے

اسی طرح سے اوکسفرڈ اردو انگریزی لغت کے مطابق اس کا مطلب ہے:

1. one who prays.
2. a low-caste Hindu converted to Islam.
3. a horse taking second place in a race.



Marfat.com

جبکہ قاموس مترادفات کے مطابق اس کے مفاہیم میں مقام صلوٰۃ، نماز گاہ، عبادت گاہ، مسجد، جانماز، سجادہ اور جائے نماز وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح سے سعیدی ڈکشنری/سعید اللغات کے مطابق بھی اس لفظ کے جملہ معانی مثبت ہی بیان کیے گئے ہیں۔

کیسی بلندی اور کیسی پستی اِس ایک لفظ کے مفہوم میں ہے! کس طرح دھیرے دھیرے سے اِس لفظ کے تقدس کو تباہ کیا گیا ہے اور اس کے روزمرہ استعمال کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا گیا ہے؟ ایک تو یہ بات سرے سے ہی ہمارے مذہب، تہذیب، تمدن اور ثقافت کے خلاف ہے کہ ہم صفائی یا اُس شعبہ سے منسلک لوگوں کی کسی بھی لہجہ، الفاظ یا انداز سے تحقیر کریں۔ ہمارے نبی محترم حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''صفائی نصف ایمان ہے''۔ تو پھر ایمان کی تکمیل کرنے والوں یا اُس کا سبب بننے والوں کی تحقیر و بے قدری کا یہ رجحان کیوں؟ ایک طرف لفظ مُصلّی کو مُصلّے سے نسبت ایک مقام، مرتبہ، احترام اور عظمت عطا کرتی ہے تو دوسری طرف اِسی لفظ کو آج کل تحقیر اور تذلیل کا رنگ دے دیا گیا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ نو مسلم افراد کو بھی اسی فہرست میں شامل کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ نو مُسلم افراد تو اور زیادہ عزت، عظمت اور احترام کے حامل ہو جاتے ہیں مگر بلا وجہ اس لفظ کے غلط استعمال سے اسلام اور شعائر اسلام کا مذاق اُڑایا گیا ہے۔

وقت کے جدید تقاضوں کے تحت ضرورت اِس امر کی ہے کہ لفظ مُصلّی کے غلط استعمال کو ترک کیا جائے۔ خاک روب، نو مسلم، چوڑا، چمار جیسے معانی کو اِس سے خارج کیا جائے اور اگر کسی طور گزارہ نہ ہو تو اِن معانی کو لفظ ''مسلی'' کے تابع کر دیا جائے یعنی ص کو س سے بدل کر اِس لفظ کی نسبت کو معانی کے اعتبار سے درست کیا جائے۔ ویسے ہمارے ادب کا دامن اِس قدر وسیع ہے کہ وہ بغیر اس تبدیلی کے بھی لفظ



Marfat.com

مصلّی کے تقدس کو بچا سکتا ہے۔ بات صرف عزم اور خلوصِ نیت کی ہے۔ یقیناً یہ ذمہ داری اہلِ ادب پر عائد ہوتی ہے کہ وہ ایسے الفاظ، فقرات، محاورات اور روز مرہ مثالوں کو اپنے افکار میں جگہ نہ دیں تا کہ ایک تو عوام کا ادبی ذوق بہتر رہے اور دوسرا آنے والے کل کو بہتر ادبی ورثہ منتقل ہو۔

●●●



Marfat.com

# خلیفہ

قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ کا مفہوم ہے کہ ہم نے انسان کو اشرف، اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ اِس لحاظ سے انسان کا خلیفہ ہونا اُس کے لیے بے حد اعزاز، فخر اور خوشی کی بات ہے۔ لفظ خلیفہ سے اس کو ایک خاص نسبت حاصل ہے اور یقیناً اِس کو کسی بھی طور سے داغدار نہیں ہونا چاہیے۔ اگر عمومی اعتبار سے نگاہ ڈالی جائے تو اِس لفظ کو مندرجہ ذیل تین بنیادی نسبتیں حاصل ہیں۔

۱ اللہ کا نائب اور خلیفۃ الارض

۲ خلفائے راشدینؓ سے نسبت

۳ خلیفۃ المسلمین

دیکھا جائے تو مندرجہ بالا تینوں تعلق ہی بے حد محترم، متبرک اور قابلِ عزت وشرف ہیں۔ اِس لیے اِس لفظ کے تقدس کو ایک ضرب المثل کے طور پر جاوداں ہونا چاہیے تھا۔ مگر افسوس اور غور کا مقام ہے کہ ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہو سکا ہے۔ ہندوستان



Marfat.com

کے مخلوط کلچر نے حیلوں بہانوں سے کچھ شعائر اسلام کوتاک تاک کر نشانہ بنایا ہے اور ہر اُس جگہ جہاں اُن کو مسلمانوں کے فکر اور عمل کے درمیان کچھ کمزوری یا خلا نظر آیا ہے وہ اپنا کام کر گزرے ہیں۔ لفظ خلیفہ کے ساتھ بھی کچھ اِس طرح ہی ہوا ہے۔

فیروز للغات کے مطابق اِس کا مفہوم ہے۔

ا رسول اللہ ﷺ کا قائم مقام

۲ پیر کا جانشین

۳ نائب

۴ نائی، درزی، باورچی۔ جمع: خلفاء، خلیفوں، خلیفے

اسی طرح سے اردو علمی ڈکشنری کے مطابق

ا قائم مقام، بادشاہ یا نبی کا قائم مقام

۲ پیغمبر ﷺ کا قائم مقام۔ امیر المومنین

۳ استاد کا نائب۔ مانیٹر، جماعت کا ہوشیار لڑکا جو استاد کی غیر حاضری میں لڑکوں کا خیال رکھے۔

۴ نائی، درزی، باورچی

۵ گتکے باز کا نائب

۶ استاد کا بیٹا

اس کے ساتھ ساتھ اردو انگریزی ڈکشنری، ڈاکٹر ایس۔ ڈبلیو۔ فیلن، کے مطابق اس کے مفاہیم کچھ یوں ہیں:

Khalifah.... succeeding
"The successor to sovereign power, applied especially to the successors of



Marfat.com

Muhammad(S.A.W.), who united the characters of head of the state and of the Muhammad(S.A.W.) religion, a caliph In India the term is applied to a tailor, barber, cook, moniter in the school, teacher's son."

صاف ظاہر ہے کہ کہاں لفظ خلیفہ اور انسان کے بطورِ خلیفہ ہونے میں عظمت اور کہاں اس کو پیشوں اور شعبوں سے جوڑنا اور پھر بات یہاں تک بھی نہیں رہی! مخنث یعنی تیسری جنس کے لوگوں کے گرو یا سرکردہ فرد اور پہلوانوں کے استاد کو بھی اس فہرست میں شامل کر کے خلیفہ ہی کہا جانے لگا ہے۔ حالانکہ اِس کے لیے اور بہت سے مناسب اور حسبِ حال الفاظ کا استعمال سہولت سے کیا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف یہ امر بھی اپنی جگہ پر بے حد اہمیت اور توجہ کا حامل ہے کہ اگر اس لفظ کا استعمال یونہی عام سے انداز میں کیا جاتا رہا تو پھر وہ دن دور نہیں جب یہ اپنا اصل مقام کھو دے گا، اس کی جگہ لغت میں دوسرے معانی رائج ہو کر فروغ پاتے رہیں گے اور ایک دن اس کے حقیقی معانی اور ماخذ کی حیثیت بوسے کے ڈھیر میں سے سوئی تلاش کرنے کی سی ہوگی۔

اس عام اور سطحی استعمال سے ہم خود ہی لفظ خلیفہ کی عظمت کو پس پشت ڈال کر جہالت کے گڑھوں میں گِر کر اپنی رسوائی اور فطرت سے دوری کا سبب بن رہے ہیں۔ کیا اِس لفظ کی عظمت اور شان ہے اور کیسے ہم بے سوچے سمجھے اس کا استعمال کیے جا رہے ہیں؟ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم اپنے اخلاق و کردار سے، اپنی اِس ازلی و ابدی نسبت پر کبھی حرف نہ آنے دیتے مگر افسوس کہ ہم نے سب کچھ بھلا دیا اور محض تفنّنِ طبع کے لیے خود کو، خود ہی رسوا کر لیا۔ اگر ہم کو انسان کے خلیفۃ الارض ہونے اور اشرف المخلوقات ہونے کا حکم یاد ہے تو پھر اس کے مفہوم میں نائی، موچی، مراثی، باورچی، درزی وغیرہ کیوں شامل ہیں؟ مقام غور ہے.....!



Marfat.com

# حافظ

یار! ذرا حافظ جی نوں سڑک پار کرا دینا....!

حافظ جی! ذرا دیکھ کے....!

ایک منٹ حافظ صاحب! میں ابھی آیا....!

میں مسجد میں حافظ صاحب سے پڑھتا ہوں....!

ہمارے امام مسجد حافظ جی ہیں....!

کسی کو لاٹھی پکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو کہا حافظ جی ذرا سنبھل کر.....!

کسی کو موٹے شیشوں والی نظر کی عینک پہنے دیکھا، رگِ ظرافت پھڑکی، تو کہا کہ حافظ صاحب جا رہے ہیں.....!

کسی سے کوئی غلطی ہو گئی تو طنزاً کہہ دیا، تم حافظ ہو، نظر نہیں آتا....!

اسی طرح کہیں ختم، دعا یا تلاوت کے لیے کسی کو بلوایا تو لقب فی الفور حافظ صاحب! چاہے اُن کو چند سورتیں ہی بمشکل تمام یاد ہوں۔ ایسے فقرات اور رویے کا مشاہدہ آپ نے اکثر روزمرہ زندگی میں بے شمار دفعہ کیا ہوگا۔ اور کبھی رک کر غور نہیں کیا



Marfat.com

کہ ہماری گفتار کس سمت جارہی ہے؟ دوسری طرف اگر لغت میں اِس لفظ کے معانی کو تلاش کیا جائے تو فیروز اللغات کے مطابق اس کا مطلب ہے

۱ نگہبان، حفاظت کرنے والا، پاسبان

۲ وہ شخص جسے قرآن پاک حفظ ہو

۳ نابینا (کنایۃً)

۴ خدا تعالیٰ کا صفاتی نام

اسی طرح سے فرہنگِ آصفیہ کے مطابق حافظ کا مطلب کچھ یوں ہے:

۱ نگہبان، محافظ، حفاظت کرنے والا، پاسبان، خبر گیران
جیسے اللہ حافظ، اللہ نگہبان

۲ وہ شخص جسے قرآن شریف زبانی یاد ہو، قرآن مجید کو محفوظ رکھنے والا

۳ اندھوں کا لقب، سورداس، اندھا

جبکہ اردو لغت، مرکزی کے مطابق حافظ سے مراد حفاظت کرنے والا اور وہ شخص ہے جسے قرآن از بر ہو۔ علاوہ ازیں یہ ایران کے مشہور صوفی شاعر شمس الدین محمد شیرازی کا تخلّص بھی ہے۔

غور کرنے پر صاف دکھائی دیتا ہے کہ ایک ہی لفظ میں خبر اور بے خبری کو کیسے اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ ایک طرف تو حافظ اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی، قرآن پاک حفظ کرنے والے، قلب و نظر میں روشنی، نور اور ہدایت رکھنے والے کا نام ہے تو دوسری طرف ایک اندھا، نابینا اور بے خبر شخص کنایۃً اِس لفظ کے تحت آرہا ہے۔ اس کے علاوہ ''اندھے حافظ کانے راجا'' (علمی اردو لغت) کو بطور محاورہ مزاحاً اندھے مسلمان کو حافظ اور کانے کو راجا کہنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ کیسا کنایہ، کیسی تشبیہ، کیسا فن،



Marfat.com

کیسا مزاح اور کیسا ہنر کہ اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی ماریں۔ جس شاخ پہ بیٹھے ہوں اسی کو کاٹیں اور پھر کہیں کہ سناؤ، کیسی رہی....؟ ہم کیسے عقلمند، باذوق، سمجھدار اور زندہ دِل انسان ہیں....! اپنے ہی آباؤ اجداد کا مذاق اڑائیں اور خود ہی قہقہے لگائیں۔ اپنے ہی ادبی ورثہ کا اپنے ہاتھوں سے حلیہ بگاڑ کر روشن خیالی کے نعرے لگائیں! ہائے ری تقلید تیرے کہنے بھی تو کیا کہنے! ہائے ری ادبی، بے ادبی! تیرے جلوے بھی تو کیا جلوے!

ایک طرف لغت کے مفاہیم میں تضاد ہے تو دوسری طرف روزمرہ میں ہماری جاری و ساری روش ہے۔ وہ قومیں جو اپنے اسلاف کے سرمائے اور اپنی نسبت کو سطحیت، عمومیت یا بے احتیاطی کی نظر کرتی ہیں۔ وہ خود ایک روز گردِراہ بن جاتی ہیں اور جب یہ طے ہے بالآخر حق ہی غالب آ کر رہے گا تو پھر باطل کی آبیاری کیوں؟ وہ کام جو وقار اور توقیر سے ممکن ہے اُس کے لیے کوئی اور راستہ کیوں؟ روزمرہ زندگی میں جب ہمارے پاس کسی کو پکارنے، بلانے یا بات کرنے کے لیے، اُس کی ذات، فن، شعبہ اور کارکردگی کے لحاظ سے وافر الفاظ موجود ہیں تو پھر لفظ حافظ کا غلط استعمال کیوں؟ جب اندھا اور نابینا وغیرہ جیسے الفاظ موجود ہیں پھر کنایتہً بھی اُنہیں حافظ کہنے کا کیا جواز....؟

●●●



Marfat.com

# مولوی / مُلّا

فی زمانہ جو براحشر اِس لفظ کے ساتھ ہو رہا ہے وہ شاید ہی کسی اور لفظ کے ساتھ ہو رہا ہو۔ کیا چھوٹا کیا بڑا؟ کیا بوڑھا کیا جوان؟ کیا پڑھا لکھا کیا ان پڑھ؟ ہر کوئی اپنی اپنی دُھن میں اِس لفظ کے مفہوم و مطالب کو سمجھے اور سوچے بغیر بے تکان اسے استعمال کرتا چلا جا رہا ہے۔ اب تو لفظ ملا اور مولوی صرف داڑھی اور مسجد میں امام و خطیب تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ حالانکہ یہ لفظ اپنے معانی و مطالب کے لحاظ سے کائناتی ہے۔

ایک وقت تھا جب لفظ ملاّ، مولوی، مولانا اور علامہ وغیرہ کا اپنے نام کے ساتھ لکھا جانا فخر، امتیاز، سرخروئی اور سرفرازی کی علامت سمجھا جاتا تھا جیسے مولوی عبدالحق، مولوی ڈپٹی نذیر احمد، مولانا محمد حسین آزاد، مولانا شبلی نعمانی، مولانا الطاف حسین حالی، علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، مولانا عبدالحلیم شرر، مولانا محمد علی جوہر اور شیر بنگال مولوی فضل الحق کے نام زبان زدِ عام ہیں۔ مگر پھر ایک طرف تو انگریزوں اور ہندوؤں کی چالبازیوں نے آہستہ آہستہ اپنا جال بن کر اس لفظ کے تقدس کو مجروح کرنا شروع کیا تو دوسری طرف مولوی کے نام سے ہندوستان میں پنڈت کی طرح کا ایک خاص



Marfat.com

طبقہ وجود میں آ گیا۔ جس میں کردار کی بجائے وراثت کو ترجیح دی گئی اور پھر نتیجتاً مولوی چراغ دین کا بیٹا، مولوی جمال دین ہی ممبر و مسجد کا مؤذن، امام، خطیب اور وارث کہلایا خواہ اُس کو پانچ سورتیں بھی زبانی یاد نہ ہوں یا پر جوش واقعاتی اور لہجہ جاتی تقریر کرنے والے کو طریقہ وضو اور آداب مسجد تک سے آگاہی نہ ہو۔ کردار کے انحطاط اور حالات و واقعات نے وقت کے دھارے میں بہہ کر لفظ مُلا یا مولوی کو کیا سے کیا بنا دیا....؟

لغت کے مطابق مُلاّ کا مطلب ہے

۱ مولا سے بنا ہوا، نہایت عمدہ لکھنے والا

۲ عالم، فاضل

۳ مسجد میں نماز پڑھانے والا، بچوں کو پڑھانے والا

جبکہ لفظ مولوی کا مطلب ہے:

۱ شرع اسلامی کے احکام جاننے ولا، عالمِ دین، فقیہہ

۲ پکا دین دار، پابندِ شریعت

۳ مدرس، معلمّ

۴ علماء کا لقب، مولیٰ سے بنا ہوا

فرہنگِ آصفیہ کے مطابق اس کا مطلب کچھ یوں ہے:

۱ شرع کے احکام جاننے والا، عالم دین، فقیہہ، فاضل شاستری، دھرم شاستر جاننے والا، مسائل دین سے واقف

۲ پکا دیندار، پابند شریعت، متشرع

۳ معلمّ، مدرس



Marfat.com

۴ عالموں کا لقب، فاضلوں کا خطاب (یہ لفظ اصل میں مولا تھا۔ یائے نسبت ملانے کے بعد اس کے چوتھے حرف یعنی الف کو واؤ سے بدل لیا کیونکہ الف مقصورہ کلمہ سہ حرفی و چہار حرفی کے بغیر سے بوقت نسبت واؤ کے ساتھ بدل جایا کرتا ہے)

اسی طرح سے لفظ ملّا کا مطلب ہے:

۱ بہت املا کرنے والا، نہایت لکھنے والا

۲ بہت پڑھا ہوا، عالم، فاضل

۳ فقیہہ

۴ مسجد میں رہنے والا، نماز پڑھانے والا، اذان دینے والا، بچوں کو پڑھانے والا۔

بمطابق ابراہیم ذوقؔ:

جو مدرسہ کے بگڑے ہوئے ہیں ملّا
ان کو میخانے میں لے آؤ سنور جائیں گے

اس کے ساتھ ساتھ اعجاز اللغات جدید کے مطابق مولوی یا مُلّا سے مراد عالم دین، علم شریعت کا عالم، معلّم، مدرس اور نیک ہے۔

جبکہ دوسری طرف عوام الناس کا معیار یہ کہ ہر داڑھی والے کو مولوی کہہ کر مخاطب کیا جا رہا ہے خواہ اُس کا تعلق کسی بھی شعبہ ہائے زندگی سے ہو۔ وہ مزدور ہو، تاجر ہو، معمار ہو، بڑھئی ہو، سرکاری ملازم ہو، صنعتکار ہو، چور ہو، ڈاکو ہو یا کسی اور شرعی عیب میں مبتلا ہو۔ اُس نے اگر داڑھی رکھی ہے تو اُس کا لقب مولوی ہے....! وہ نماز ادا کرنے مسجد جائے، نہ جائے۔ اُس کا تعلق احکامِ شریعت پر عمل درآمد سے ہو، نہ ہو۔



Marfat.com

وہ بس مولوی یا مُلا ہے کیونکہ اُس نے داڑھی رکھی ہوئی ہے۔

کیسا المیہ، جہالت، قابلِ افسوس اور قابلِ فکر بات ہے۔ اور ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس کا رجحان ایک ذرا بھی مذہب کی طرف ہے یا وہ مذہبی میلانات رکھتا ہے، نماز روزہ کا پابند ہے اور احکامات شریعت کی پاسداری کو اوّلیت دیتا ہے یا وہ حق بات کی تلقین و تاکید کرتا ہے تو ہم اُس سے جان چھڑانے کے لیے اور اُس کی باتوں پر کان نہ دھرنے کے لیے بڑے آرام سے خود کو تسلّی دے لیتے ہیں اور جھٹ اپنے احباب سے بھی کہہ دیتے ہیں کہ

''چھڈو جی! اے تے مولوی اے۔''

''ایدا تے کم ای اے وے''

اسی طرح سے اپنے گھر میں سے یا دوست احباب میں سے کسی کا مذہبی رجحان دیکھ کر اس پر طعنہ زنی اور یہ کہتے ہوئے اس سے کنارہ کشی اختیار کی جائے گی کہ

''اوئے! جان دے یار....!''

''اوھدی کی گل کرنا اے....!''

''اوہ تے مسیتڑ ہو گیا اے''

علاوہ ازیں اردو ادب میں رائج محاورہ، ''اندھا ملاّ ٹوٹی مسجد'': ناقص کو چیز بھی ناقص ہی ملتی ہے (علمی اردو لغت)، بھی خاصا توجہ طلب ہے۔

مسجد سے رغبت رکھنے والے خوش نصیب اور باسعادت مسلمان کو مسیتڑ کہہ کر اُس کی اور مسجد کی توہین کرنے کا انجام کیا ہوگا؟ کیا روانی سے یہ سب کچھ کہنے والوں نے کبھی سوچا ہے....؟ کسی کا مذہبی رجحان دیکھ کر، محض اِس حوالے سے اُس کو مولوی، مُلاّ، میانے، مِلاّنے یا ملّوانے کہہ کر اُس کی توقیر گھٹانے کا جُرم لاحاصل کرنا



Marfat.com

آخر کس کی خوشی کا باعث ہے؟ کیا شیطان کے ایک کاری تیر سے کروڑوں مسلمان گھائل نہ ہیں؟ کیا مسلمانوں کا یہ طرزِ عمل اور طرزِ فکر دیکھ کر اغیار خوش نہ ہیں؟ یہ المیہ اور لمحہ فکریہ ہے....!

اس کے ساتھ ساتھ اپنے نام کے ساتھ مولوی / ملا / علامہ / میاں / بزرگ یا صاحب لگانے والوں نے بھی کبھی اپنے کردار کا جائزہ بھی لیا ہے کہ وہ کدھر جا رہے ہیں اور اگر ان کے اخروی فیصلہ کا معیار ان کے یہ چند خودساختہ القابات ہی ٹھہرا لیے گئے تو پھر ان کی عاقبت کیا ہوگی؟ کیا اُنہوں نے کبھی سوچا بھی ہے کہ لفظ ملا یا مولوی کی نسبت نے اُن پر کس قدر بھاری ذمہ داری ڈال دی ہے؟ آج جنوبی ایشاء میں شاید ہی کوئی ایسا خطہ یا علاقہ ہوگا، جہاں اِس لفظ کو اپنے نام کے ساتھ لگانے والوں کی اکثریت اِس سے مخلص ہو۔ اُن کا مقصد محض روزگار، خودنمائی اور خودستائی نہ ہو۔ بڑی سہولت اور آرام کے ساتھ ملاّ، مولوی، مولانا، علامہ اور دوسرے اسی طرح کے القابات اپنے نام کا حصہ بنا لیے جاتے ہیں مگر اس ضمن میں پیش آمدہ ذمہ داریوں اور فرائض سے پہلو تہی کی جاتی ہے۔ ہر دو جانب یہ ایک غیر مستحسن عمل ہے۔ حساس قلب ونظر کے لیے یہ ایک تکلیف دہ امر ہے۔ مسلم معاشرے کے آنے والے کل کے لیے یہ ایک نامناسب بات ہے جو ہر صورت بہتری کا تقاضا کرتی ہے۔

•••



Marfat.com

# دین دار

پنجاب کے کلچر میں آج بھی نومسلموں کو دین دار کہا جاتا ہے۔ جبکہ غور طلب بات یہ ہے کہ اُن نومسلموں کی اکثریت نے، ستر/اسی (70/80) سال سے بھی زائد عرصہ قبل، اسلام قبول کیا ہوا ہے۔ بس ایک باراُن کی پہچان دیندار بن گئی تو پھر بن گئی۔

آپ کہاں جائیں گے؟

اچھا....! دینداروں کے گھر!

آپ کا گھر کن کے ساتھ ہے؟

دینداروں کے گھر کے ساتھ!

آپ کہاں سے آرہے ہیں؟

میں اسلم دیندار کے گھر سے آرہا ہوں!

ایسی باتیں گاؤں گاؤں اور نگر نگر عام ہیں۔ کتنے ستم کی بات ہے کہ اُن مسلمانوں کا مقام اتنے سال گزرنے کے بعد بھی نومسلموں کا سا ہے حالانکہ یہ سراسر



Marfat.com

اسلامی اصولوں اور روایات کے خلاف ہے۔ اور ایک خاص مدت گزرنے کے بعد اِس طرح کی تکرار اور بھی زیادہ قابلِ مذمت ہے!

فیروز اللغات کے مطابق دین دار کا مطلب ہے:

۱ مذہب کا پابند

۲ متقی

۳ پرہیزگار

۴ پابندِ شرع

اسی طرح سے فرہنگِ آصفیہ اور قاموس مترادفات میں بھی اس کا مطلب متقی، پرہیزگار اور پابند شرع وغیرہ ہے۔

علاوہ ازیں اوکسفرڈ اردو انگریزی لغت کے مطابق اس کا مطلب ہے:

1. religious.

2. pious.

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر صرف نومسلم ہی ''دیندار'' ہیں تو دوسرے کیا ہیں....!

اور بہتر ہے کہ اِس بحث کو اِسی نقطہ پر سمیٹ دیا جائے اور روزمرہ زندگی میں اِس بات کا خصوصی طور پر لحاظ رکھا جائے کہ بحیثیت مُسلم ہمارا کون سا طرزِ عمل اور طرزِ فکر قابلِ پزیرائی ہے اور کون سا طرزِ زندگی اپنی اصلاح اور درستگی چاہتا ہے؟

●●●



Marfat.com

# حاجی

دورِ حاضر میں مولوی اور مُلاّ کی طرح لفظ حاجی بھی بے حد ستم گری کا شکار ہے۔ایک وقت تھا کہ نام کا حصہ بننے والا لفظ حاجی بے حد عزت، احترام اور بزرگی کا مظہر تھا لیکن بعد ازاں آہستہ آہستہ صورتِ حال بدلتی چلی گئی۔ برصغیر پاک و ہند کے کلچر میں کردار پس منظر میں چُھپتا چلا گیا اور روایت اُبھرتی چلی گئی۔ایک طرف حاجی نے الحاج کا روپ دھارا تو دوسری طرف حاجی و الحاج طنز کے پیکر میں ڈھلتے گئے۔ اور آج یہ وقت ہے کہ عمومی طور پر اِس لفظ کو بطور طنز اور منفی انداز میں استعمال کیا جا رہا ہے۔کبھی جو عزت اور احترام کا لقب تھا آج خامیاں، ہیرا پھیریاں، چالاکیاں اور بے ایمانیاں نمایاں کرنے کا نام بنتا جا رہا ہے۔اکثر سننے میں آتا ہے کہ

فلاں بڑا حاجی ہے!

(یعنی، چکر باز ہے)

ایسے بڑے حاجی ہم نے دیکھے ہیں!

(مطلب، نیکی کا نقاب اوڑھنے والے)



Marfat.com

یہ حاجی صاحب ہیں!

(غرض، بڑے تیز طراز ہیں)

حاجیاں والا ہتھ نہ کرنا!

(مراد، دھوکہ نہ دینا)

کیا بات ہے حاجی صاحب کی!

(مراد، اپنے کام/مکر/فریب میں پہنچے ہوئے ہیں)

فرہنگِ آصفیہ کے مطابق لفظ حاجی سے حج کرنے والا اور وہ شخص جو خانہ کعبہ کا طواف اور مناسکِ حج ادا کر آیا ہو مراد ہے۔ کچھ اسی طرح کے معانی قاموس مترادفات، اعجاز اللغات اور دوسری لغات میں بھی بیان کیے گئے ہیں جن سے مراد زائر، زائرِ بیت اللہ، زائرِ حرم، وہ شخص جس نے حج کیا ہو، حاج اور نیک شخص ہے۔

افسوس کا مقام ہے کہ اس لفظ کا استعمال خاصی حد تک غلط کیا جا رہا ہے اور یہ رجحان بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ کہیں سے کوئی صدا اِس روش کے خلاف بلند نہیں ہو رہی۔ اِس لفظ کو اپنے نام کا حصہ بنا کر اِس کی تشہیر کرنا ہی شاید درست نہ تھا۔ اگر ارکان اسلام کی ادائیگی یونہی باعث نمود و نمائش تھی تو پھر

نمازی صاحب....!

زکواتی صاحب....!

اور صوموی صاحب....!

بھی تو ہونا چاہیے تھا۔ جو سارے ارکان اسلام کی ادائیگی کرتا اُس کے یہ سارے القابات بھی ہوتے۔ تاہم یہ درست اور ایک حقیقت ہے کہ لفظ حاجی کا نام کے ساتھ لگنا یا استعمال ہونا کسی نہ کسی حد تک اپنا جواز رکھتا ہے۔ کیونکہ ارکانِ اسلام میں سے یہ



Marfat.com

واحد رکن ہے جو زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے کہ زندگی میں ایک بار حج کی ادائیگی سے اسلام کا یہ ستون ہمیشہ کے لیے قائم ہو جاتا ہے۔ لیکن باعثِ افسوس ہے کہ ایک طرف تو بلاوجہ ایک رُکن اسلام کی ادائیگی کو سطحیت اور نمود و نمائش کی نظر کر دیا گیا، حاجی سے الحاج کہلوانے کی روش باطنی تبدیلی کا پیش خیمہ نہ بن سکی تو دوسری طرف اِس لفظ کے منفی استعمال نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔

یقیناً یہ رجحان حوصلہ شکنی کا متقاضی ہے۔ اِس لیے نہ صرف اِس غلط استعمال سے باز رہنا چاہیے بلکہ حج ادا کرنے کے بعد لفظ حاجی کو اپنے نام کا حصہ بنانے والوں کو بھی سوچنا چاہیے کہ ایسا کرنے سے اُن پر کڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اُن کو ہر قدم احتیاط سے پھونک کر رکھنا چاہیے تاکہ اُن کے حوالے سے اسلامی روایات پر کوئی حرف نہ آئے اور نہ ہی اسلامی کلچر کو کوئی گزند پہنچے۔ محض اِس لفظ کو نام کا حصہ بنا لینا ہی کافی نہیں بلکہ یہ اعلیٰ شخصی رویوں، اسلامی رنگوں سے رنگے اخلاق و کردار اور طرزِ فکر و عمل کا تقاضا کرتا ہے۔ جب آپ حاجی، حافظ، مولوی، علامہ اور مرشد جیسے الفاظ بطور فخر اپنے نام کے ساتھ استعمال کریں گے اور اس کے مطابق کردار پیش نہیں کریں گے تو پھر طنزیہ ردِعمل ایک فطری بات ہے۔ اس لیے ایک طرف اِس کے منفی استعمال اور مذاق اڑائے جانے کے سلسلے کو ختم ہونا چاہیے تو دوسری طرف اِس کو نام کا حصہ بنانے والوں کو باوقار اور ذمہ دارانہ رویہ اپنانا چاہیے تاکہ مثبت روایات فروغ پا سکیں۔

●●●



Marfat.com

# مرشد

مرشد، سیّد، پیر اور راہنما جیسے الفاظ سے ہر کوئی نہ صرف واقف ہے بلکہ لوگوں کی اکثریت کسی نہ کسی حوالے سے ایسے کسی نہ کسی سلسلہ سے بھی منسلک ہے۔ گو کہ اِس وقت ہدایت اور راہبری کے نام پر گمراہی پھیلانے، اعتقاد کو کمزور کرنے، شعبدہ بازیاں دکھانے، فریب دینے، دنیا اکٹھی کرنے اور راہزنی کا کاروبار عام ہے مگر اب بھی وہ لوگ موجود ہیں جو صرف اور صرف ہدایت دینے کا کام کر رہے ہیں۔ جن کا اوڑھنا، بچھونا اور مقصدِ حیات صرف اور صرف خدمتِ اسلام اور فروغ دین ہے۔ اعتبار اُنہی کے دم سے قائم ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ

''اصل کی موجودگی پر ہی نقل کی ہستی کا انحصار ہے''

اصل ہوگا تو نقل کو بھی اس کا روپ دھارنے کا موقع ملے گا۔ اگر کسی ملک میں پانچ سو روپے کا نوٹ ہی رائج نہ ہو تو پھر پانچ سو روپے کا چاہے کتنا بھی خوبصورت نوٹ مارکیٹ میں لایا جائے وہ نہیں چل سکتا کیونکہ اس کی مناسبت سے اصل نوٹ مارکیٹ میں موجود نہ ہے۔ اس لیے اصل ہوگا تو نقل کا کاروبار چلے گا۔



Marfat.com

بہرحال ہمارے ملک میں آج بھی یہ شعبہ بے حد ادب، احترام اور عقیدت کا حامل ہے۔ کسی کی بات نہ ماننے والا بھی مرشد کی بات ضرور مانے گا۔ کسی کو تسلیم نہ کرنے والا بھی اپنے پیر کو ضرور تسلیم کرے گا۔ دوسروں کی ذرا ذرا سی بات پر نظر رکھنے والا اور اُن میں کیڑے نکالنے والا اپنے راہنما کی بڑی بڑی باتوں سے بھی صرفِ نظر کرے گا۔ کیونکہ بات یقین، اُنس، عقیدت، تابعداری اور فیض حاصل کرنے کی ہے۔ لیکن حیرت انگیز طور پر اِس لفظ کے ساتھ بھی وہ برا سلوک کیا گیا ہے کہ خدا کی پناہ....! اگر کسی سچے عقیدت مند کو اِس امر سے پوری طرح آگاہی حاصل ہو جائے تو یقیناً اُس کا سینہ زخموں سے چور ہو۔ وہ صدائے احتجاج بھی بلند کرے اور جس حد تک ممکن ہو اِس کے ازالے کے لیے اقدامات بھی ضرور کرے۔ اِس تناظر میں اگر لفظ مرشد کے معانی کے لیے لغت سے رجوع کیا جائے تو فیروز اللغات کے مطابق لفظ مرشد کا مطلب ہے:

۱ ہدایت کرنے والا

۲ سیدھی راہ بتانے والا

۳ راہنما، ہادی، پیر

۴ استاد، چالاک

۵ عیار، شریر

۶ ہوشیار، فریبی

۷ دغاباز، پاکھنڈی

۸ گروگھنٹال

اسی طرح سے فرہنگِ آصفیہ کے مطابق اس کا مطلب ہے:



Marfat.com

۱ ہدایت کرنے والا، نیک راہ بتانے والا، پروہت، رہنمائی کرنے والا، رہنما، پیر، ہادی، گرو، مہنت۔

بقول داغؔ:

زاہد کمال پیر مغاں تجھ سے کیا کہوں
مرشد وہاں خطاب ہے ادنےٰ مرید کا

۲ استاد، چالاک، ہشیار، عیار، شریر، فریبی، دغاباز، پاکھنڈی، حیلہ باز، گرو گھنٹال

جب کہ اعجاز اللغات جدید اور اردو لغت، مرکزی کے مطابق مرشد کے تمام معانی دین و دنیا کا سیدھا راستہ دکھانے والا، ہادی، پیر، رشد و ہدایت والا اور استاد کی صورت مثبت ہی بیان کیے گئے ہیں۔

دوسری طرف فیروز سنز اردو۔ انگلش ڈکشنری کے مطابق اس کا مطلب کچھ یوں ہے:

1. an instructor.
2. a guide.
3. a spiritual teacher.
4. a monitor.
5. the head of a religious order.
6. a director.
7. a cunning fellow.

اس کے ساتھ ساتھ اس سلسلہ میں بطور محاورہ بھی کئی معانی میں اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ

بڑے مرشد ہو: بڑے شریر ہو، چالاک ہو۔



Marfat.com

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اِس لفظ کا نقاب اوڑھنے والے افراد نے دوسروں کو دھوکے نہیں دیے، دغا بازی نہیں کی، ہوشیاری نہیں کی، لوگوں کو فریب نہیں دیے، چالاکیاں نہیں دکھائیں، دنیا اکٹھی نہیں کی، جھوٹ، مکر اور فریب کا سہارا نہیں لیا۔ یقیناً ایسا ہوا ہے مگر کس کے ساتھ اور کیوں؟ مثل مشہور ہے کہ ''جب تک لالچی زندہ ہے، فریب دینے والوں کا کاروبار چلتا رہے گا'' تو پھر یقیناً اکثر دھوکے اور فریب انہی کے ساتھ ہوتے ہیں جو لالچی، دنیا کے بھوکے، دوسروں کا برا چاہنے والے اور بلاوجہ خودنمائی کے طالب ہوتے ہیں۔ لیکن ایسے میں کسی بھی طور اُن لوگوں پر حرف نہیں آنا چاہیے جو سچائی، نیکی، تقویٰ، حلم، بردباری، تحمل، توکل، تفکّر، فقر اور ہدایت کا علم اُٹھائے چل رہے ہیں۔ اُن کے وجود کی برکت سے ہی تو جھوٹے اور مکار لوگوں کے عیب بھی چھپے رہتے ہیں۔

جبکہ لفظی بازی گری میں کہاں ہدایت کرنے والے اور کہاں فریبی و گرو گھنٹال؟ کہاں ہادی و پیر تو کہاں شریر و دغا باز؟ کہاں سیدھی راہ بتلانے والے اور کہاں پاکھنڈی؟ ایک ہی لفظ (اور لفظ بھی وہ جس کے ساتھ مسلمانوں کی اکثریت کی جذباتی وابستگی اور عقیدت وابستہ ہے) میں کیسے متضاد معانی کو شامل کیا گیا ہے؟ کس طرح سے اِس لفظ کے تقدس کو مجروح کیا گیا ہے؟ کیسے اِس کی حُرمت پر انگلیاں اُٹھائی گئی ہیں؟ کیسے اِس لفظ کو متنازعہ بنایا گیا ہے....! یہ یقیناً ایک المیہ بھی ہے اور ہماری بے خبری و غفلت اور سہل پسندی کا ثبوت بھی۔ آخر یہ سلسلہ کہاں تک دراز ہوگا....؟

•••



Marfat.com

# صلوات

اِسلام کے تہذیبی وثقافتی ورثہ کے کچھ پہلوؤں کے مجروح خدوخال دیکھ کر دِل میں درد کا ایک تیز نشتر سا چبھتا ہے۔ قلب ونظر میں ایک قیامت سی بپا ہوتی ہے۔ دل تڑپ تڑپ جاتا ہے۔ جیسے نخلستان میں محوِخرام انسان کو اگر ایک دَم ہی لو کے بھبھوکے اپنی گرفت میں لے لیں تو اُس کا اضطراب اور تڑپ دیدنی ہوتی ہے۔ لغت میں صلوات کے معانی پر نظر پڑی تو ایک بار تو نگاہ پر اعتبار ہی نہ ہوا کہ واقعی لغت سے اس کے مفاہیم درست پڑھے ہیں مگر بار بار کی تکرار نے ثابت کر دکھایا کہ ہم واقعی اب تک اپنی سادہ لوحی اور بے خبری کی کیفیت کے دائرے میں سفر کر رہے ہیں۔ سیاست، سیادت، معیشت، معاشرت، مذہب، تمدن اور تہذیب وثقافت، غرض یہ کہ ہر جگہ ہمارے بیدار شعور، بالغ نظری اور احسن کردار کی ضرورت ہے۔ کیونکہ دوسری طرف کسی نہ کسی انداز میں مسلم دشمنی کا ایک تانا بانا تیار ہے۔ بعض دفعہ ہم یہ سب کچھ سمجھ بھی رہے ہوتے ہیں مگر پھر ریت میں سر دبا لیتے ہیں یا اپنے مفادات کے چکر میں آنکھیں بند کر کے ایک مخصوص مدار میں گردش شروع کر دیتے ہیں۔ دُکھ کی ان کیفیات میں لفظ



Marfat.com

صلوات کے معانی کے لیے فیروز اللغات ملاحظہ ہو

۱ صلوٰۃ کی جمع

۲ سلام کرنا، رخصت کرنا

۳ باز آنا

۴ ہجو، گالی، دُشنام

اسی طرح سے اردو کلاسیکی ہندی اور انگریزی ڈکشنری کے مطابق اس مطلب ہے:

1. prayers, blessings, benedictions.
2. Salawat---(lronic & colloq) curses, maledictions, abuse, insult--- to abuse roundly.

جب کہ قاموس مترادفات میں صلاوات کے تابع معانی میں اسے مجازاً گالی، دشنام، سبّ وشتم اور صلواتیں وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے اور صلواۃ کا مطلب دُعا، درود، سلام، استغفار، برکت، رحمت، بخشش، مغفرت اور نماز رقم کیا گیا ہے۔ اسی طرح سے سعیدی ڈکشنری/سعید اللغات کے مطابق صلوات کا مطلب نمازیں، درود، دعا اور خدا کی رحمت بیان ہوا ہے۔

علاوہ ازیں اس کی محاوراتی شکل ''گزشتہ را صلوٰۃ، آیندہ را احتیاط'' (گزری ہوئی بات کو جانے دو اور آیندہ کے لیے احتیاط کرو) بھی زبان حال سے پکار کر احتجاج کر رہی ہے۔

کیا عظمت ہے اِس لفظ کی اور کس پستی پر اہلِ ادب کا ادبی مذاق کھڑا ہے؟ کہاں رحمتیں اور کہاں ہجو اور گالی؟ کہاں عظمتیں اور رفعتیں اور کہاں ویران پستیاں؟ یہ سب کیسے ہوا؟ کس نے کیا؟ عربی ماخذ کا یہ لفظ تو اپنے ہر ہر اصل میں باوقار، شستہ



Marfat.com

اور بنی بر برکت ہے۔ مگر اہل ادب نے اِس کے کیسے کیسے معانی تراشے ہیں؟ لفظ صلوات کی عظمت، رفعت، پاکیزگی اور سربلندی سے کس مسلمان کو انکار ہوگا مگر کیسے اُس میں متضاد معانی کو شامل کیا گیا ہے حالانکہ اردو ادب کے دامن میں ایسے بیسیوں الفاظ موجود ہیں جن سے گالی، ہجو وغیرہ کے مفہوم کو اخذ کیا جا سکتا ہے مگر افسوس صد افسوس.....! کیا سادہ لوح قوم ہیں ہم.....!

ہوسکتا ہے یہاں پر بھی کچھ لوگ اسے تنگ نظری سے تعبیر کریں اور راگ الاپیں کہ ایک ایک لفظ کے کئی کئی معانی ہوتے ہیں۔ اس سے انکار ممکن نہیں، ضرور ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں۔ مگر ماں صرف ماں ہے۔ دعا صرف دعا ہے۔ نیکی صرف نیکی ہے۔ تقوی صرف تقوی ہے۔ اصل صرف اصل ہے، اس کے معانی میں نقل نہیں۔ سونا صرف سونا ہے، اس کے مفہوم میں پیتل نہیں۔ ہیرا صرف ہیرا ہے، اس کے معانی میں کانچ نہیں!

ہر شے کی وضاحت اور تشریح کے کچھ مخصوص اصول وضوابط ہوتے ہیں۔ بات ان حدود و قیود کے تابع رہے تو کیا خوب ہے۔ جیسا کہ قانون، سیاست اور عمرانیات جیسے مضامین میں مختلف الفاظ، تراکیب اور اصطلاحات کے ایک خاص پس منظر میں خاص مطالب و معانی اخذ کیے جاتے ہیں۔ مگر حیرت انگیز طور پر مذہب کے حوالہ سے مستعمل کچھ خاص الفاظ، مقامات اور شخصیات کے سلسلہ میں ہم احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑے بیٹھے ہیں۔ جہاں ہمیں حد درجہ محتاط رہنا تھا وہاں ہمارا روّیہ بے لگام کیوں؟ وقت کی ضرورت ہے کہ ہم خوابِ غفلت سے جاگیں، صورت حال کی بہتری کے لیے اپنا کردار ادا کریں، کم از کم انفرادی سطح پر ایسے استعمال سے رک جائیں اور علم و ادب کی ترویج کے لیے بیدار مغزی کا ثبوت دیں۔



Marfat.com

# حضور/قبلہ/کعبہ/سرکار

حضور، قبلہ، کعبہ اور سرکار جیسے الفاظ روزمرہ زندگی میں عام طور پر مستعمل ہیں۔ موقع بے موقع ان کا استعمال جاری ہے۔ شعوراً یا لاشعوراً ہر کسی کو ایسے الفاظ بولنے اور سننے کو مل رہے ہیں۔ عام حالات میں بھی، حتیٰ کہ، ایک دوسرے کو پکارنے کے لیے اور کچھ طلب کرنے کے لیے بھی ان الفاظ کو جا بجا استعمال کیا جا رہا ہے۔ بالخصوص پیری اور مریدی کے سلسلہ میں تو یہ بالکل عام سی بات ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو کہنے والا، اپنے پیر و مرشد کو حضور، سرکار اور قبلہ جیسے الفاظ کے ساتھ اس جذبہ اور شوق سے کہتا ہے کہ سماں بندھ جاتا ہے....! جیسا کہ اکثر کہنے اور سننے میں آتا ہے

''حضور! آپ کہاں جا رہے ہیں''

''حضور! آپ کہاں میں کہاں''

''میری سرکار نے یہ فرمایا ہے''

''سرکار! میں رکوں کے جاؤں''

''قبلہ! ایک نظر میری طرف بھی''



Marfat.com

''ارے قبلہ! جانے بھی دیجئے نا''

''میرے قبلہ وکعبہ سب آپ ہیں''

''قبلہ! میرے لیے کیا حکم ہے''

یہ درست ہے کہ عالی مرتبت لوگوں کا ادب اور احترام لازم ہے۔ باکردار اور صالح لوگوں کا، خواہ وہ عام افراد کے انداز میں ہوں یا کسی صوفی، بزرگ، درویش، پیر اور استاد کے روپ میں ہوں کا احترام، ادب اور لحاظ لازم ہے۔ ان کے لیے اچھے الفاظ کا چناؤ کر کے انہیں عزت اور وقار سے بلانا یا مخاطب کرنا بہت درست اور مناسب بات ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ اس بات کو بھی ضرور مدنظر رکھا جانا چاہیے کہ قبلہ وکعبہ اور حضور وسرکار کی نسبت کیا ہے....؟ حضور اور سرکار کے الفاظ بالعموم آپ ﷺ کی ذات اقدس کے لیے مختص ہیں۔ اور یہ اس تسلسل کے ساتھ آپ ﷺ کی ذات مبارک کے ساتھ بولے جاتے ہیں کہ کسی کے منہ سے لفظ حضور یا سرکار سن کر ذہن فوراً آپ ﷺ کی ذات اقدس کی طرف جاتا ہے۔ اس لیے تقاضائے ادب یہ ہے کہ اول تو ان الفاظ کے عام استعمال سے گریز کیا جائے اور اگر ان کی ادائیگی از حد ضروری ہو تو کم از کم لہجے اور انداز میں ایک واضح فرق ضرور ہونا چاہیے.....!

فارسی زبان میں مالک کا ایک معنی خدا بھی ہے مگر مالک کو خدا کہنے اور اللہ کو خدا پکارنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے....! اور دوسرے ایک خاص تناظر میں ایک خاص مدت (ماہ وسال/زمانے) تک استعمال ہونے والے الفاظ کا ایک خاص پس منظر بن جاتا ہے اور وہ اسی خصوصیت کے ساتھ جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ ان کو ان کے اسی مقام کے تابع رکھ کر دیکھا، پرکھا اور استعمال کیا جائے تو زندگی آسان راستوں کی توفیق دیتی ہے۔ آج اگر کوئی اپنے مالک یا آقا کو خدا کہہ کر پکارے گا تو



Marfat.com

اسے خود بھی اجنبی لگے گا اور دوسروں کے ذہن میں بھی فوراً نقطہء اعتراض جنم لے گا۔ ادب اور احترام کے اظہار کے لیے اور بھی بے شمار الفاظ موجود ہیں جن کو بخیر وخوبی اور بلاخوف وخطر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ اس امر کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا کہ قبلہ، کعبہ، حضور اور سرکار جیسے مبارک اور بابرکت الفاظ، محاورات اور ادائیگی کی شکل میں بھی حد ادب کے تقاضوں کو پورا کریں۔ مگر بدقسمتی سے بہت سی جگہوں پر ایسا انحراف موجود ہے۔ جیسا کہ عام طور پر روزمرہ زندگی میں ایک محاورہ ''قبلہ/کعبہ ہوتو منہ نہ کروں'' استعمال کیا جاتا ہے۔ لغت کے مطابق اسے کمال بیزاری اور نفرت کے اظہار کے لیے کہتے ہیں۔ کہاں یہ انتہائی محترم مقام اور کہاں اس کو نفرت و بیزاری ظاہر کرنے کے لیے بے حد عامیانہ انداز میں استعمال کرنا....؟

●●●



Marfat.com

# باب نمبر 2

(بحوالہ محاورات وروزمرہ)

Marfat.com

Marfat.com

# صلواتیں سنانا

حضرت، حاجی اور خلیفہ جیسے الفاظ کے غلط استعمال کے ساتھ ساتھ اردو ادب میں ایسے کئی محاورات بھی مسلسل استعمال ہو رہے ہیں جن کے استعمال سے غفلت اور نادانی کا احساس ہوتا ہے۔ صلواتیں سنانا بھی انہیں میں سے ایک محاورہ ہے۔ فرہنگِ آصفیہ کے مطابق اس کا مطلب ہے:

۱ برا بھلا کہنا

۲ بھوگ سنانا

۳ گالیاں دینا

پڑھتا تھا میں تو سبحہ لیے ہاتھ میں درود
صلواتیں مجھ کو آ کے وہ ناحق سنا گیا (امیر)

---

ہمیں حضرت سلامت کہہ کے صلواتیں سناتے ہیں
غضب کی شوخیاں ہیں ان کی دشنامِ مؤدب میں
(نسیم دہلوی)



Marfat.com

گھر اس کے لبِ جاں بخش کی میں بات سناؤں

عیسیٰ بھی جو کچھ بولے تو صلوات سناؤں (رمنت)

جب کہ بطور محاورہ ''صلوات ہے'' سے مراد ہے: سلام ہے، باز آئے، ہاتھ اٹھایا، دست بردار ہوئے، کچھ غرض نہیں، کچھ واسطہ نہیں۔ اسی طرح سے سعیدی ڈکشنری/سعید اللغات کے مطابق اس کے مفہوم میں گالیاں دینا اور برا بھلا کہنا شامل ہے۔ علاوہ ازیں فیروز اللغات میں اس کے معانی کچھ یوں بیان کیے گئے ہیں:

۱ بُرا بھلا کہنا

۲ گالیاں دینا

دوسری طرف اگر ایک نظر لفظ ''صلوٰۃ'' پر ڈالی جائے تو فیروز اللغات کے مطابق اس کا مطلب ہے:

۱ درود، رحمت، برکت، دعا

۲ نماز

اسی طرح سے دوسری لغات کے اندر بھی اس کے معانی درود، دعا اور نماز وغیرہ ہی بیان کیے گئے ہیں۔ دیکھنے والی بات یہ ہے کہ جس لفظ کی نسبت نماز، دعا، درود اور رحمتِ خدا سے ہے۔ جس چیز کا مرکز اِس قدر شفاف، روشن اور پاکیزہ ہے۔ اُس کو کیسے کسی محاورے کا رنگ دے کر داغدار کیا جا سکتا ہے۔ ایک ایسا لفظ جس کی نسبت دینِ اسلام کے ساتھ ہے۔ اس کا غلط استعمال بے حد کرب کا باعث ہے۔ ہم کیسے، بے تکان انداز میں، روزمرہ زندگی میں اِس محاورہ کا استعمال کر رہے ہیں اور کبھی رُک کر سوچتے ہی نہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ کدھر جا رہے ہیں؟ کیا بول رہے ہیں؟ کبھی ہم نے یہ تجزیہ کیا ہی نہیں کہ نام نہاد ادیبوں کی طرف سے ملنے والی اس ادبی



Marfat.com

مٹھاس کا تحفہ اندر سے کس قدر زہریلا اور مہلک ہے۔ کبھی ہم نے تردّد ہی نہیں کیا کہ ایک لحظہ کے لیے ہی سہی، رُک کر سوچ تو لیں کہ کیا ہم اُسی راستے پر کانٹے بچھاتے تو نہیں جا رہے جو ہماری منزل کا سراغ ہے۔

آخر کب تک ہم خوابِ غفلت میں رہیں گے؟ ہمارے ادب کا دامن کب تک پامال رہے گا؟ تطہیر ادب کا مرحلہ آخر کب آئے گا....؟ اپنے اسلامی تقدس سے متصادم اس محاورہ کا استعمال اگر اِس قدر ہی ناگزیر ہے تو پھر اِس کے تلفّظ کو ''ص'' کی بجائے ''س'' سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ''سلواتیں سنانا''۔ تاہم تقاضائے ادب ہے کہ اِس محاورہ کو اردو ادب سے یکسر خارج کر دیا جائے اور اس کی بجائے دیگر محاورات جیسے:

۱ گرز مارنا

۲ زبان دکھانا

۳ ناخن دکھانا

۴ زبان پلید کرنا

۵ گفتگو میلی کرنا اور

٦ گفتگو پھینکنا وغیرہ کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔

•••



Marfat.com

# بڑے میاں سو بڑے میاں
# چھوٹے میاں سبحان اللہ

زبان زدِ عام یہ مثل، زبانِ حال سے دعوتِ فکر دے رہی ہے۔ کیسا کائناتی لفظ ہے ''سبحان اللہ'' اور ہم کس طرح سے اس کا استعمال کر رہے ہیں؟ کیسی بے مثل عطا ہے سبحان اللہ اور کیا ہمارا وتیرہ ہے؟

فرہنگِ آصفیہ کے مطابق بڑے میاں کے مفاہیم کچھ یوں بیان کیے گئے ہیں:

۱ بوڑھے اور بزرگ آدمی کو تعظیماً کہتے ہیں

۲ مالک خانہ، سرپرست، مربّی، پرکھا

۳ عوام، پدر، باپ

جب کہ فیروز اللغات کے مطابق اِس مثل کا مطلب ہے:

''بڑے تو بدمعاش تھے ہی چھوٹے اِن سے بڑھ کر نکلے۔''

اسی طرح سے دوسری لغات اور روزمرہ کے استعمال میں اس مثل کو کم و بیش



Marfat.com

انہی معانی میں استعمال کیا جا رہا ہے کہ بڑے تو بڑے تھے ہی چھوٹے شرارت اور چالاکی میں ان سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں۔

کیسی بات ہے؟ کیا اندازِ فکر ہے؟ کیا طرزِ تکلّم ہے؟ لفظ ''سبحان اللہ'' ایک ایسا لازوال لفظ ہے جس کی ہر ہر نسبت مثبت اور لافانی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرنے والا ایک بے مثل وظیفہ، ذکر اور خزینہ ہے۔ اِس کو عمومی اور سطحی معنوں میں استعمال کرنا بے حد خسارے کا سودا ہے۔ بے عملی و بے نگاہی کا یہ عالم ہے کہ بعض خامیوں، بے ترتیبیوں، ناہمواریوں، بے اعتدالیوں اور بے وقوفیوں کو نمایاں کرنے کے لیے بھی طنزاً ''سبحان اللہ'' بولا جاتا ہے۔

لغت کے مطابق ''سبحان اللہ'' کا مطلب ہے

١ اللہ پاک ہے

٢ میں اللہ کو پاکی کے ساتھ یاد کرتا ہوں

٣ تعجّب یا طنز کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں

اِسی طرح سے ''سبحان تیری قدرت'' کا مطلب ہے:

١ اللہ تیری قدرت کے کیا کہنے؟

٢ تیتر کی مفروضہ بولی

٣ تعجّب اور طنز کا اظہار

سوچنے کی بات ہے کہ کہاں عاجزی، انکساری اور وارفتگی کے ساتھ ''سبحان اللہ'' کہہ کر اللہ تعالیٰ کو پکارنا، اُس کی حمد وثناء بیان کرنا۔ اُس کو یاد کرنا۔ اور کہاں محض ادائیگی اور اندازِ تکلّم سے اُس کو طنزاً استعمال کرنا۔ جب مختلف قسم کے جذبات، احساسات اور محسوسات کی ترجمانی کے لیے لغت میں بہت زیادہ دیگر الفاظ ومحاورات وغیرہ



Marfat.com

موجود ہیں تو پھر گھوم پھر کر آخر ورثۂ اسلام کو ہی کیوں نشانہ بنایا گیا ہے؟ اس ضمن میں چند ایک محاورات اور لغت کے مطابق ان کے مفاہیم کچھ یوں ہیں کہ

بلی خدا واسطے چوہا نہیں مارتی:

ہر شخص جو کام کرتا ہے اپنے نفع کے لیے کرتا ہے۔

نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی:

بہت سے گناہ کر کے تائب ہونے کی کوشش کرنا۔

ہاتھ پاؤں دیا سلائی بات کرنے کو فضل الٰہی:

ہاتھ پاؤں میں زور نہیں لیکن زبان خوب چلتی ہے۔

شیر شاہ کی داڑھی بڑھی یا سلیم شاہ کی:

فضول بحث۔

لکھے موسیٰ پڑھے خدا:

ایسی تحریر جو پڑھی نہ جاسکے۔

مری بھیڑ خواجہ خضر کے نام:

ناقص شے اللہ کی راہ میں دے کر ثواب کمانا۔

تسبیح پھیروں کسی کو گھیروں:

سخت ریاکار یا مکار کے بارے میں کہتے ہیں۔

حدیث کھینچنا:

کسی کام کو ترک کرنا۔

یہاں پر صاف دکھائی دیتا ہے کہ قصور اگر اغیار کا ہے تو کم ہم بھی نہیں! بات اوروں کی ہے تو پیچھے ہم بھی نہیں! مانا کہ حاجی، مولوی اور مرشد کو کچھ لوگوں کے



Marfat.com

روّیے اور کردار نے منفی معانی دینے کی راہ ہموار کی مگر ''سبحان اللہ'' کو کسی بھی طور سے منفی انداز میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ہر لحاظ سے ایک صریح بے ادبی اور قابلِ گرفت بات ہے۔ جب ادب کا بیڑا اُٹھانے والی فکر گر گسی اور قدم پست ہوں گے تو اُس فکر کے پیرو کار خود بھی ڈوبیں گے اور ساتھ ہزاروں تقلید کاروں کو بھی لے ڈوبیں گے۔

●●●



Marfat.com

# اللہ کا نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ

اردو ادب میں مستعمل یہ محاورہ سوچنے والے اذہان اور فکر کرنے والے قلوب کے لیے اپنے اندر بہت کچھ رکھتا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ ترکیب ہی وضاحت طلب ہے کہ

''اللہ کا نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ''

یہاں پر اگر کلمہ سے عمومیت مراد ہے تو اِس کا مطلب لفظ، بات اور قول وغیرہ ہے۔ جبکہ خصوصی طور پر گرائمر کی رو سے، اِس سے مراد، وہ بامعنی لفظ ہے جو آدمی کے منہ سے نکلے۔ اِس کے علاوہ اگر لفظ کلمہ کو دیکھا جائے تو اِس کی نسبت ''لا الہ الا اللہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ'' سے ہے۔ غرض یہ کہ گہرائی اور گیرائی کے ساتھ اس محاورہ کا تجزیہ کیا جائے تو یہ محاورہ ہی بلا جواز ہے۔ کیونکہ کلمہ تو بس کلمہ ہے۔ یہ اللہ کے معبودِ برحق ہونے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اللہ کے رسول ہونے کا اقرار، اظہار اور شہادت ہے۔ یہ تو دنیا و مافیہا سے بہتر کلمہ ہے۔ عبد اور معبود کے درمیان ایک لافانی تعلّق ہے۔ اطاعت، بندگی اور اتباع کی عرض داشت ہے۔ اِس لیے اس کو ایسی کوئی



Marfat.com

محاوراتی شکل دی ہی نہیں جا سکتی۔ اور اگر کسی طور سے اِس کے مفاہیم و مطالب کو اِس ضمن میں تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی اِس کا مطلب ہوگا۔

''اللہ اور اُس کے رسول حضرت محمد ﷺ''

جب کہ دوسری طرف اگر لغت کے مطابق اِس محاورہ یعنی ''اللہ کا نام محمد ﷺ کا کلمہ'' کے مفہوم کو دیکھا جائے تو اِس کا مطلب ہے:

۱ کچھ موجود نہیں

۲ بالکل محتاجی اور ناداری ہے

اِسی طرح ایک اور محاورہ ''اللہ کا نام'' ہے۔ اور اِس کا مطلب بھی ہے کہ پاس کچھ نہیں، بالکل مفلسی ہے! کیسی بات ہے؟ جس کے پاس اللہ اور اُس کا رسول ﷺ ہو یا اُن کا نام ہو۔ وہ نادار، محتاج، مفلس اور تہی دامن ہو، باعثِ حیرت ہے.....! اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے بڑھ کر کونسی نسبت، قوت، طاقت اور تونگری ہے۔ پھولوں سے ٹکرانے والی ہوا بھی مہک سے 'پُر ہوتی ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ دنیا کی سب سے عظیم صداقتوں کے ساتھ کسی بھی لحاظ سے، کسی بھی طور سے، خواہ محاوراتی ہو، روزمرہ ہو یا کچھ اور، کچھ بھی منفی منسوب کیا جائے.....! یہ سراسر ناشکری، جہالت، غفلت اور نادانی ہے۔ جس کے پاس اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا نام اور ان کی نسبت موجود ہے اُس کے پاس سبھی کچھ ہے۔ ناداری، مفلسی یا تنگدسی کا اظہار کسی اور طریقہ سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس کو کسی بھی طور سے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے نسبت دینا یا محاورات وغیرہ کی شکل میں بیان کرنا سخت نامناسب اور صریح بے ادبی ہے۔ اسی طرح کی ایک بے ادبی اور جہالت کا اظہار'' آدھے میاں محمدی آدھے میاں موج'' جیسے محاورہ سے بھی ہو رہا ہے جس کا مطلب ہے کہ'' آدھا خود لینا اور آدھا باقی گھر کے سب لوگوں کو دینا۔''



Marfat.com

# نماز کو چھڑانے گئے روزے گلے پڑے

بعض اوقات انسان اپنے ہی گمان میں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ وہ رُک کر سوچتا ہی نہیں کہ وہ کدھر جا رہا ہے؟ کیا کر رہا ہے؟ کیوں کر رہا ہے؟ کیسے کر رہا ہے؟ کس کے لیے کر رہا ہے اور اِس کا انجام کیا ہوگا؟ اپنے انجام سے بے خبر وہ اپنی ہی دُھن میں اپنے روزمرہ راستہ پر آگے اور آگے رواں رہتا ہے۔ اور پھر بعض اوقات کبھی اتفاق سے یا کسی ردِعمل کے طور پر اُس کو حقیقی صورتِ حال سے آگاہی حاصل ہوتی ہے تو اُس کو اپنی مسافت کے بے سمت اور لاحاصل ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ مگر وہ بلاوجہ ہی خود کو خود ساختہ تاویلوں سے بہلانا چاہتا ہے۔ تاہم کبھی کبھی صورتِ حال اتنی صاف، شفاف اور روشن ہوتی ہے کہ اُس کے پاس حق تسلیم کر لینے کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہتا۔ اور پھر جب وہ حقیقت کے سامنے سر جھکاتا ہے تو کئی دیدہ و نادیدہ اشکِ ندامت اُس کو منزل کا پتہ دیتے ہیں۔

اِسی تناظر میں اگر مندرجہ بالا کہاوت کو دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ اِس کو استعمال کرنے والوں نے شاید ہی کبھی سوچا ہو کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ کدھر جا رہے



Marfat.com

ہیں؟ محاوراتی طور پر اِس کا مطلب ہے ایک مہم کو سر کرتے کرتے دوسری مہم گلے پڑ گئی یا ایک کام سے جان چھڑانے کے لیے گئے، اس سے تو جان نہ چھوٹی مگر ساتھ ہی دوسرا کام بھی سامنے آ گیا۔

فرہنگِ آصفیہ کے مطابق اس کا مطلب ہے کہ

''ایک کام سے پیچھا چھڑانا چاہا تو دوسرا اور ذمہ پڑا''

(کہتے ہیں کہ کوئی شخص پنجوقتہ نماز سے تنگ آ کر کسی مولوی کے پاس گیا تھا کہ ہماری نماز تو معاف کرا دو ہمارا بڑا حرج ہوتا ہے۔ اس نے کہا کہ اس میں بڑی برکت ہے بلکہ روزے بھی رکھا کرو جو پوری پوری نجات ہو۔ پس جب سے یہ مثل مشہور ہو گئی۔)

خیر یہ تو الگ بحث ہے کہ اس مثل یا محاورہ کا استعمال کب اور کیسے شروع ہوا؟ اصل میں تو نماز اور روزہ ارکانِ اسلام ہیں۔ ان کا اپنا ایک الگ تقدس، تشخّص اور مقام ہے۔ دیکھنے، سمجھنے اور غور کرنے والی بات یہ ہے کہ نماز کب اور کیسے ہمیں ملی؟ روزہ کب اور کیسے عطا کیا گیا؟ نماز اور روزہ کی نسبت کن کے ساتھ ہے؟ ان کو عطا کرنے والا کون ہے؟ اس عطا میں کیا حکمت ہے....؟ گو کہ اس کی اصل حکمت اور مقام تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ذات ہی بہتر جانتی ہے۔ ہمارے لیے تو یہی کافی ہے کہ اس عطا کو معراج اور قرب کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ اُمتِ مسلمہ کے لیے اسے ایک لازوال انعام اور نوازنے کا ایک سبب سمجھا گیا ہے۔ نماز اور روزے کی نسبت اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے ہے اور اُن کی نسبت سے پوری امتِ مسلمہ کے لیے ہے! پھر کیسے ہم بے تکان کہہ سکتے ہیں کہ

''نماز کو چھڑانے گئے اور روزے گلے پڑ گئے''



Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے نماز اور روزوں کو قرآنِ پاک میں فرض قرار دے کر ہر بحث کا دروازہ بند کر دیا ہے! اِس عالی نسبت، حکم اور عطا کے بعد ہم کون ہیں جو کہیں کہ ''نماز کو چھڑانے گئے اور روزے گلے پڑے''....! اسی طرح سے نماز، روزہ اور ایمان کے حوالہ سے اور بھی کئی ایسے محاورات موجود ہیں جن سے سخت بے ادبی کا گمان ہوتا ہے۔ ان میں:

نمازی کا ٹکا

بدی کا بدلہ۔

ایمان بغل میں

ہٹ دھرمی کرنا۔

اور بس ہو چکی نماز مصلاّ اُٹھایئے

مذاقاً اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی کام ختم ہو جائے۔ وغیرہ شامل ہیں۔

کیسی بات ہے کہ ہم بغیر کچھ سوچے سمجھے بس تقلید کیے جا رہے ہیں۔ یہ محاورہ ہرگز قابلِ استعمال نہیں۔ اِس سے بے ادبی، گستاخی اور بے عملی کا تاثر ابھرتا ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ اردو ادب کے دامن سے ایسے محاورات، فقرات، الفاظ اور حروف کو خارج کیا جائے اور روزمرہ زندگی میں اِن کے استعمال کو ساکت کر کے اپنی آخرت بچائی جائے۔ اس ضمن میں بہتری کے لیے کچھ سوچا جائے تاکہ انجام بخیر ہو!

●●●



Marfat.com

# حضرتِ فاطمہؓ کی جھاڑو پھرے

اردو ادب میں استعمال ہونے والا یہ محاورہ ایک بددعا کی صورت پیش کیا جاتا ہے۔ فیروز اللغات کے مطابق یہ محاورہ ایک بددعا ہے جس کا مطلب ہے

ا تباہ ہو جائے

۲ کوئی باقی نہ رہے

۳ کچھ نہ رہے

اسی طرح سے فرہنگِ آصفیہ میں اس کا مفہوم کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:

ا دعائے بد

۲ تباہ ہو جائے

۳ برباد ہو جائے

۴ صفایا ہو جائے

۵ کوئی نہ رہے

۶ کچھ نہ رہے



Marfat.com

کیسے ستم کی بات ہے کہ تباہی و بربادی کی بد دعا کو اُس عالی عظمت گھر اور عالی عظمت ہستی سے منسوب کیا گیا ہے جو سراپا خیر اور سرچشمہ ہدایت ہیں۔ آپؓ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔ آپؓ جنت کے نوجوانوں کی سردار ہستیوں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کی والدۂ محترمہ اور حضرت علی المرتضٰی شیرِ خداؓ کی بیوی ہیں۔ سب سے بڑھ کر آپؓ، حضرت محمدِ مصطفٰے ﷺ کی بیٹی ہیں۔ آپؓ کی سیرتِ مبارکہ ایک نمونہ اور مثال ہے۔ آپؓ کی شرم وحیا، تقوی، عفو اور درگزر جیسی لاتعداد خوبیاں ضرب المثل ہیں۔ آپؓ کے گھر کا طواف کر کے گزرنے والی ہوا بھی سراپا خیر، ہدایت اور برکت ہے۔ آپؓ نے نہ کسی کا بُرا چاہا اور نہ کسی کے حق میں بددُعا کی۔ آپؓ صبر، استقلال، تحمل، بردباری اور عنایت وعطا کا ایک کائناتی معیار ہیں۔

اسی سلسلہ میں اردو ادب میں ایک اور محاورہ ''شاہ عباسؑ کا علم ٹوٹے'' مستعمل ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ

۱ تباہ ہو

۲ برباد ہو

انتہائی تکلیف دہ بات ہے کہ بے مثل، باکمال اور لازوال ہستیوں کے ساتھ ایسے محاورات کی کیا نسبت؟ یہ سراسر جہالت، ناعاقبت اندیشی اور بدنصیبی ہے کہ ہم بغیر کچھ سوچے سمجھے، محض افتادِ طبع کے تحت یا اپنے گمان کے تابع وہ کچھ کہیں یا کہے ہوئے کی تقلید کریں کہ جس کی بعد ازاں جواب دہی مشکل ہو جائے۔ اِس لیے اردو ادب سے اِس محاورہ کو خارج کر کے آئندہ کے لیے بے حد محتاط اور ذمہ دارانہ رویہ اختیار کیا جانا چاہیے تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم محض گمان کی پیروی کرتے رہیں اور ہمیں اپنے اعمال کے ضبط ہو جانے کا علم تک بھی نہ ہو۔



Marfat.com

# آنتوں کا قل ہو اللہ پڑھنا

بھوک لگنے، بھوکے ہونے یا بھوک کی شدت کا اظہار کرنے کے لیے اکثر ''آنتوں کا قل ہو اللہ پڑھنا'' بطور محاورہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اِس محاورے کا استعمال اِس قدر عام ہے کہ اس کو استعمال کرتے وقت شاید ہی کبھی کسی نے کچھ سوچا ہو؟ کبھی رُک کر غور کیا ہو؟ اور اگر کبھی کیا بھی ہے تو بے حد سرسری انداز میں۔ پانی میں بہتے ہوئے اُس تنکے کی طرح جو اگر کہیں رُکے بھی تو محض ایک پل کے لیے اور اگلے ہی پل پھر اپنے دھارے میں، اپنے سفر پر رواں دواں ہو جائے۔ اِس سرسری غور وفکر کا نتیجہ تو ظاہر ہے کیا نکلتا البتہ اِس محاورے کا استعمال پوری طرح سے جاری ہے۔

لغت کے مطابق ''آنتوں کا قل ہو اللہ پڑھنا'' سے مراد سخت بھوکا ہونا ہے۔ جبکہ اِس کے ساتھ ساتھ بھوک کے اِس اظہار کے لیے

۱ آنتیں سمیٹنا

۲ آنتیں سوکھنا

۳ آنتیں کوستی ہیں



Marfat.com

۴ آنتیں مُوسنا وغیرہ جیسے محاورات بھی مستعمل ہیں۔

سوال یہ ہے کہ '' آنتوں کا قل ہو اللہ پڑھنا '' کیا بھوک کے اظہار کے لیے درست ہے؟ ایسے تو نہیں ہو سکتا کہ چار لفظ جوڑے، محاورہ بنایا اور جو جی چاہا اُس کا مطلب نہ صرف خود اخذ کیا بلکہ دوسروں کو بھی بطور سند اور برائے تقلید پیش کر دیا۔ ادب کی جانچ پرکھ، پڑتال اور تطہیر یقیناً اہلِ ادب کا کام ہے۔ عوام الناس اگر غلطی سے اُن کو استعمال کرتے رہیں تو بھی اُس کو درست کرنے اور کرانے کی ذمہ داری اہلِ ادب و دانش پر ہے۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ '' قل ہو اللہ '' کا کیا مطلب ہے؟

اِن کلماتِ مقدسہ کی شانِ نزول کیا ہے؟

اِن کے ادب اور احترام کے کیا تقاضے ہیں؟

یہ آیتِ کریمہ یا سورۃ مبارکہ (سورۃ اخلاص) کس بنیادی طور سے ہمارے ایمان، یقین اور عمل کا حصہ ہے۔ یہ تو قیامت تک کے لیے کفر اور اسلام کے درمیان ایک حدِ فاصل اور ہدایت و راہنمائی کا ایک جاری و ساری سلسلہ ہے۔ اور پھر یہ حق تو کسی کے پاس بھی نہیں کہ وہ اِن آیاتِ مبارکہ یا کلماتِ مبارکہ کو محاورات کی شکل دے کر اپنی اپنی مرضی کے مطالب و مفہوم نکالے۔ یہ سلسلہ سراسر گمراہ کُن اور باعث ندامت و شرمندگی ہے۔ کہاں '' قل ہو اللہ...... '' کی عظمت و رفعت اور کہاں اِس کے بھوک سے متعلقہ مفہوم؟ کہاں یہ صیغۂ امر اور کہاں اِس کے محاوراتی مطالب....؟

کسی نے کہا ہے کہ عقل کی پھر بھی کوئی نہ کوئی حد ہوتی ہے مگر جہالت اور نادانی کی کوئی حد نہیں ہوتی! قرآن پاک وہ عظیم اور مبہوت کر دینے والا کلام ہے جس کی اثر آفرینی، صداقت، ہدایت، شفا اور رفعت کے بیان کے لیے سمندروں کی



Marfat.com

روشنائی کم ہے۔ زمین و آسمان بطور کاغذ ناکافی اور انسان بحیثیت راقم عاجز ہیں۔ وقت آ گیا ہے کہ اب اِس روش کو بند کیا جائے۔ بھوک یا بھوکے ہونے کے لیے دیگر محاوروں کا استعمال کیا جائے یا سیدے سادھے انداز میں بھوک کا اظہار کر دیا جائے۔ دل کی روشنی سے دیکھا جائے گا تو اللہ تعالیٰ کے کلام کو کسی بھی شکل میں ایسے محاورات کا رنگ دینا غلط، قابل اصلاح اور آخرِ کار باعث ندامت نظر آئے گا۔

•••



Marfat.com

# اللہ میاں کی بھینس/اللہ میاں کی گائے

کسی فربہ اور نسبتاً سادہ مزاج خاتون کو گزرتے دیکھ کر طنزیہ یا مزاحیہ انداز میں پوچھا گیا کہ یہ کون ہے؟

جواب ملا کہ ''یہ اللہ میاں کی گائے ہے۔''

اسی طرح سے کسی فربہ اور کسی قدر سیاہ رنگ کی عورت کے حوالے سے جواب ملا کہ ''یہ اللہ میاں کی بھینس جا رہی ہے....!'' کیا کہنے....! اللہ میاں کی بھینس اور اللہ میاں کی گائے کے کیا ٹھاٹھ اور کیا رنگ ڈھنگ ہیں....!

لغت کے مطابق ''اللہ میاں کی بھینس'' کا مطلب ہے:

۱ سیاہ رنگ کا ایک کیڑا جو بہت سخت جان ہوتا ہے

۲ سیاہ فام موٹا آدمی

اسی طرح سے ''اللہ میاں کی گائے'' کا مطلب ہے:

۱ نہایت بھولا بھالا سیدھا آدمی

۲ بڑا نیک آدمی



Marfat.com

واہ! کیا عقل! کیا نسبت اور کیا طرزِ فکر و عمل ہے! کیا طرزِ استدلال ہے! کیا استعارہ اور کیا ادبی رنگ ہیں! نہ لب تھرتھرائے نہ کچھ خوفِ خدا ہوا، روانی میں جھٹ کہہ دیا کہ یہ اللہ میاں کی بھینس یا گائے ہے! کیسی گواہی اور تصدیق ہے اللہ تعالیٰ کی بھینس اور گائے کی؟ اور ستم بالائے ستم یہ کہ کچھ پرواہ ہی نہیں کہ کیا بول رہے ہیں؟ اِس کی اصل نسبت کیا ہے؟ دوسروں کو بولتے سُن لیا یا کہیں سے پڑھ لیا تو بات ختم!

گو کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔ سب تعریفیں اسی کے لیے ہیں اور وہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ مگر افراد یا چیزوں کو اللہ تعالیٰ سے نسبت دینے میں ایک خاص حد ادب ہے۔ جیسا کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں (نعوذ باللہ) قرار دینے کے یہودیوں کے عمل کو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے سخت ناپسند فرمایا ہے۔

مندرجہ بالا محاورات کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذاتی اور صفاتی ناموں کے ساتھ اور بھی بہت سے محاورات و روزمرہ اصلاح احوال کا تقاضا کرتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک کچھ یوں ہیں:

### اللہ کا بندہ

خدا کا غلام، اللہ کی بندگی کرنے والا، آدمی، انسان۔

(طنزاً) بیوقوف، سیدھا سادہ آدمی۔

### خدا لگتی کہنا

حق بات کہنا، طرف داری نہ کرنا، سچی بات کہنا۔

### خدا فروش

منافق، دھوکے باز، خدا کا نام لے کر دھوکا دینے والا۔



Marfat.com

## اللہ دے اور بندہ لے

کسی کے بے انتہا غصہ ہونے پر کہتے ہیں۔

## اللہ سے کام پڑا ہے

جان کے لالے پڑے ہیں۔

## اللہ میاں کا رحم

عورتیں رت جگے میں گلگلوں کے علاوہ چاولوں کے آٹے میں کھانڈ ملا کر پیڑے بناتی ہیں جسے اللہ میاں کا رحم کہتے ہیں۔

اس تناظر میں اگر ہم اپنا جائزہ لیں تو صاف دکھائی دے گا کہ ہمارا یہ طرزِ استدلال اور طرزِ فکر اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہوسکتا ہے۔ کس قدر آسانی اور سہولت کے، بغیر سوچے سمجھے اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ محاورات کو منسوب کیا گیا ہے۔ کسی انسان کو اللہ تعالیٰ کی گائے یا بھینس کہہ دیا گیا اور کہہ کر خوشی بھی محسوس کی گئی۔ کبھی رُک کر سوچا ہی نہیں کہ میں یہ کیا بول رہا ہوں اور مجھے کیا بولنا چاہیے تھا؟ کیسی بے فکری ہے کہ جیسے مرنے کا ڈر ہی نہیں؟ کیسے نقیبانِ ادب ہیں کہ کسی جوابدہی کا کوئی خوف نہیں؟ کیسے مسلمان ہیں ہم کہ جنہیں اپنے کلام اور معیارِ کلام کی کوئی پرواہ اور کوئی فکر ہی نہیں....!

●●●



Marfat.com

# اندھے کی جورو کا اللہ بیلی

کیسے کیسے الفاظ، فقرات، محاورات اور ضرب الامثال ہیں جو اردو ادب میں شامل ہوگئی ہیں۔ جانے اِن کے پیچھے کون کون سے عوامل اور ماحول کارفرما رہا ہے۔ کبھی سوچنے بیٹھیں تو شدید حیرت اور دُکھ کا احساس ہوتا ہے۔ ایسا شاخ بریدہ اور بے جوہر تو فکرِ مسلم کا شجرِ ثمردار ہے ہی نہیں کہ اِس پر کانٹے اور بے فیض خار اُگ آئیں۔ یہ تو اپنی جڑ سے لے کر ایک ایک شاخ اور پتے تک فیض رساں ہے۔ اِس کی لغت تو ''ا'' سے لے کر ''ے'' تک اپنی مثال آپ ہے۔ اِس کے حُسنِ تناسب سے تشکیل پانے والے ایک ایک لفظ، فقرے اور محاورہ تک سب کچھ پُراز معنی اور مبنی بر حکمت ہے۔

مگر کیا کیجئے؟ کچھ نہ کچھ تو ایسا سوا ہوا ہے کہ جس کی کسک اور درد ہنوز باقی ہے۔ کیسا محاورہ ہے مندرجہ بالا؟ کیا ادب کا معیار ہے اِس محاورہ میں؟ کیا طرزِ استدلال، کیا اندازِ فکر، کیا روزمرہ اور کیا محاورہ جاتی تشکیل کی گئی ہے اور اُس پر مستزاد یہ کہ اس سے کیا مفاہیم اور مطالب اخذ کیے گئے ہیں؟ ناعاقبت اندیش ہاتھوں میں لفظوں کے چند



Marfat.com

شر رکیا کھلے انہوں نے اپنا ہی گھر پھونک ڈالا....!

محاورہ کے مطابق ''اندھے کی جورو کا اللہ بیلی'' کو اُس موقع پر بولتے ہیں جب کوئی شخص اپنی چیز کی اچھی طرح سے حفاظت نہیں کر سکتا۔

اسی طرح سے ''آلا راسی خصم خدا'' جیسے محاورہ کا مطلب ہے کہ سست اور کاہل آدمی کا اللہ ہی مالک ہے۔ جبکہ ایسا ہی ایک اور محاورہ ''اولا مولا'' ہے جس کا مطلب فضول، بے کار اور بیہودہ ہے۔

مقام حیرت و افسوس ہے! کہاں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس، کہاں وہ ہر تعریف کے لائق ذات، کہاں اُس ذات پاک کا جبروت اور کہاں یہ سلسلۂ خرافات؟ کیا یہی شرف انسانیت اور مقام انسان ہے؟ کیا یہی مقصود مسلم اور شعورِ مسلم ہے؟ ہم کو ٹھہرنا ہوگا، رُکنا ہوگا، جائزہ لینا ہوگا، اپنے ترکش کے زنگ آلود اور فریب خوردہ تیر نکال باہر پھینکنے ہوں گے۔ ہم کو اپنے علمی و ادبی ورثے کو جانچنا اور پرکھنا ہوگا اور تطہیر ادب کے لیے اپنا کردار ادا کرنا ہوگا تا کہ ہمارے نصیب کا ستارہ سرخروئی بن کر آسمانِ ادب پر جگمگا اُٹھے!

●●●



Marfat.com

# ایک سے ایک اعلیٰ، سُبحانَ ربیَّ الا َعلیٰ

بادی النظر میں، اردو ادب میں مستعمل عنوانِ بالا محاورہ کا مطلب بہت اچھا اور خوبصورت دکھائی پڑتا ہے۔ اگر اس کے دونوں حصوں کو جدا جدا دیکھا جائے تو دونوں کے مفاہیم اپنی اپنی جگہ پر مکمّل اور مثبت ہیں۔ ایک سے ایک اعلیٰ بھی کسی ایک کی کسی دوسرے پر برتری یا کسی ایک شے کی کسی دوسری شے پر فوقیت ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح سے ''سُبحانَ ربیَّ الا َعلیٰ'' نماز کے دوران سجدہ میں پڑھا جانے والا اور عام حالات میں بطور ذکر استعمال ہونے والا کلمہ ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی حمد وثناء، اس کی عظمت، بزرگی کا مظہر اور ایک انسان کی اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا، مناجات اور عاجزی وانکساری کا اظہار ہے۔ مگر حیرت انگیز طور پر دو مثبت کلمات کو ملا کر ان سے جو مطلب نکالا گیا ہے وہ بالکل منفی ہے۔

فیروز اللغات کے مطابق یہ اس جگہ طنز سے بولتے ہیں جہاں بدی اور شرارت میں ایک سے ایک بڑھا ہوا ہو۔

اسی طرح سے علمی اردو لغت کے مطابق بھی اس کے قریب قریب وہی معانی



Marfat.com

بیان کیے گئے ہیں جو کہ فیروز اللغات میں بیان ہوئے ہیں۔ یعنی کہ اسے اس جگہ استعمال کرتے ہیں جہاں ایک سے دوسرا شرارت میں آگے ہو۔

فکر طلب بات یہ ہے کہ قرآن پاک کی ایک آیت مبارکہ کے کچھ حروف لے کر ان کے ساتھ کچھ مزید الفاظ شامل کر کے ان کی جو محاوراتی تشکیل کی گئی ہے وہ حد درجہ غفلت، بے توجہی، جہالت اور گستاخانہ رویّے کی عکاس ہے۔ اس ضمن میں ذیل محاورہ ہر خاص و عام کو دعوتِ فکر و عمل دے رہا ہے۔

## نہ اِلا الذی نہ اُلا الذی

نا کارہ، بے مصرف، نہ ادھر کا نہ ادھر کا۔

اب دیکھنے، سوچنے، غور کرنے اور سمجھنے کے لیے یہی بہت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس، اس کی عظمت و کبریائی کے مظہر، نماز کے اندر شامل ایک کائناتی کلمے اور دوسری آیات مبارکہ کے کچھ حروف یا ان سے ملتے جلتے الفاظ کو کس طرح سے محاورے کا رنگ دے کر اس سے منفی مطالب اخذ کیے گئے ہیں۔ یہ ایک ایسی بے ادبی اور نادانی کا اظہار ہے کہ جس کی جس قدر بھی مذمت کی جائے کم ہے اور یہ صورتِ حال یقیناً قابلِ ردّ اور قابلِ اصلاح ہے۔

●●●



Marfat.com

# بسم اللہ ہی غلط

''بسم اللہ ہی غلط'' سے عام طور پر آغاز میں ہی کسی کام کا غلط ہونا مراد لیا جاتا ہے۔ مختلف لغات میں اس کے معانی مختلف انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ فیروز اللغات کے مطابق اس کا مطلب ہے:

۱ ابتداء ہی غلط

۲ چھوٹتے ہی غلط

۳ پہلا ہی کام خراب

اسی طرح سے فرہنگِ آصفیہ کے مطابق اس کے معانی کچھ یوں ہیں:

۱ پہلے ہی کام میں چوک

۲ چھوٹتے ہی غلطی

۳ ابتدا ہی غلط

۴ آغاز ہی ناساز

جب کہ دوسری طرف بسم اللہ سے مراد کسی کام کا اللہ تعالیٰ کے مبارک اور



Marfat.com

بابرکت نام کے ساتھ آغاز ہے۔ جیسا کہ اردو لغت، مرکزی کے مطابق بسم اللہ کا مطلب ہے:

ابتداء آغاز، کسی کام کے آغاز میں کہتے ہیں، کسی کی آمد پر استقبال کے وقت کہتے ہیں، بہت بہتر، مثال کے طور پر:

بسملیاں: خوش آمدید، بسملیاں پتر ویر آیا

برادر من خوش آمدید، بسم اللہ میرا ویر آیا

غرض یہ کہ ''بسم اللہ'' کا استعمال ہر جگہ مثبت انداز میں کیا گیا ہے۔ لیکن ''بسم اللہ ہی غلط'' کو بطور محاورہ استعمال کرتے ہی اس کے لغوی مطلب کیا سے کیا ہو جاتے ہیں۔ اِن مفاہیم سے تقریباً سبھی واقف ہیں اور کسی نہ کسی طور سے اِن کا استعمال بھی کرتے رہتے ہیں۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ میرا کام کیا ہوگا، میری تو بسم اللہ ہی غلط ہو گئی۔ مگر ہم کبھی رُک کر غور نہیں کرتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ ہمیں کبھی احساس نہیں ہوتا کہ کدھر جا رہے ہیں؟

بے احتیاطی اور غفلت کا جادو کبھی کبھی اِس قدر سر چڑھ کر بولتا ہے کہ کچھ پتا نہیں چلتا کہ ہماری اُنگلیوں کی پور پور تک زخمی ہو چکی ہے۔ کبھی کبھی ہم بڑی خوشی سے بہت سے بوجھ اُٹھائے چلے جاتے ہیں اور بہت آگے جا کر ہم کو خبر ہوتی ہے کہ یہ تو فقط ہماری نادانیوں کے بوجھ ہیں اور کچھ بھی نہیں! کیا کمائی ہوگی اُس فرد کی جو چاولوں کے پکانے کا بصد شوق اہتمام کرے، خرچہ کرے، کوفت اُٹھائے اور جب چاول پک جائیں تو ایک مٹّھی خاک یا ریت اٹھا کر اُن میں ڈال دے؟

کیسی ستم ظریفی کی بات ہے کہ ہم خود اپنے ہاتھوں سے اپنے اعمال کی کمائی لٹا رہے ہیں مگر بے خبر ہیں۔ دوسرے شعائرِ اسلام کی طرح بسم اللہ بھی اس غفلت پر ہمیں



Marfat.com

جھنجوڑ رہی ہے اور کچھ کر گزرنے، خود کو بنا لینے کے مشورے دے رہی ہے۔ بسم اللہ تو ازلی وابدی ہے اس کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے! بات تو بس اپنے اپنے نصیب کی ہے!

بسم اللہ............. درست تھی، ہے اور رہے گی

بسم اللہ............ کبھی غلط نہیں ہو سکتی

بسم اللہ............ تو بسم اللہ ہے، ازلی وابدی، لافانی ولازوال

اس کے اُجلے رنگوں کو زوال کبھی تھا، نہ ہے اور نہ ہی کبھی ہوگا۔ اس کو بسم اللہ ہی غلط جیسے محاورات میں استعمال کرنا بذاتِ خود غلط، قابل مذمت اور قابلِ اصلاح ہے۔

بسم اللہ کے حوالے سے اگر مزید بے ادبیوں پر ایک نظر ڈالیں تو اِن میں

بسم اللہ کا طغرا:

خوشنویس بسم اللہ کے حروف اِس طرح لکھتے ہیں کہ کوئی شکل بن جاتی ہے۔

بسمل:

بسم اللہ، اللہ اکبر کا مخفّف جو جانور ذبح کرتے وقت پڑھتے ہیں۔

گھائل، زخمی، تڑپنے والا، بے قرار، مجازاً عاشق۔

بسم اللہ کا مرغ:

مرغ کی تصویر جو بسم اللہ کا طُغرا لکھ کر بناتے ہیں۔

بسم اللہ کے گنبد میں رہنا:

امن میں رہنا، گوشہ نشین ہونا، دنیا و مافیہا سے بے خبر ہونا، ناتجربہ کار ہونا، زمانے کے نشیب وفراز سے ناواقف ہونا، طفل مکتب ہونا، کچھ خبر نہ ہونا



Marfat.com

ہر نوالہ بسم اللہ:

اس بے شرم کے لیے بولتے ہیں جو مہمان کے ساتھ ہی کھانا کھانے میں شامل ہو جائے۔

کہاں بسم اللہ کی عظمت اور اس سے منسلک سعادتیں، رفعتیں اور برکتیں اور کہاں اِس کے مخفف بنانا؟ کہاں بسم اللہ کا مرغ جیسے محاورات کو فروغ دینا اور کہاں بسم اللہ کا طغرا جیسی بے ادبیاں کرنا....!

ہوا کو بھلا کوئی کیا قید کرے گا؟ فضا کو بھلا کیا تسخیر کیا جا سکے گا؟ شفاف پانی کے پاکیزہ اور رواں دواں چشموں کو کون گدلا کر سکتا ہے؟ کس کی مجال ہے فطرت کے دامن پر ایک خراش بھی ڈال سکے! یہ تو بس ایک اوٹ اور ایک حجاب ہے۔ وقتی سی بات ہے۔ چائے کی پیالی میں طوفان ہے۔ کیا ایسا ادب اور کیا اُس کے نقیب! فطرت کا فقط ایک اشارہ ہی صدیوں کی کاوشوں، نام نہاد تہذیب اور خود ساختہ ثقافت کو نگل لینے کے لیے کافی ہے۔

ضرورت اِس امر کی ہے کہ بسم اللہ ہی غلط اور بسم اللہ کا مرغ وغیرہ جیسے محاورات کی جڑ کاٹ دی جائے۔ سلجھے شعور اور دراز فکر کے ساتھ ایسی مثبت اور ہمہ گیر روایات کو فروغ دیا جائے کہ جن کا تذکرہ باعث افتخار ہو۔ وقت کا مؤرخ جب صدیوں بعد کسی علمی و ادبی گوشے پر تنقیدی قلم اُٹھائے تو اُس کے اذہان و قلوب میں ایک متبسّم مہک پھیل جائے۔ آنے والی نسلیں اپنے ثقافتی ورثے پر نہ صرف فخر کریں بلکہ مثبت روایات کے فروغ کی امین بھی بنیں۔

●●●



Marfat.com

# باب نمبر 3

(عمومی)

Marfat.com

Marfat.com

# نیو بسم اللہ، نیو ماشاء اللہ، نیو مدینہ

جدت شروع دِن سے ہی انسانی فطرت کا خاصہ رہی ہے مگر جب کبھی کبھار اِس کا مظاہرہ بغیر سوچے سمجھے، شترِ بے مہار کی طرح ہوتا ہے تو بہت فکر انگیز صورتِ حال بن جاتی ہے۔ خاص طور پر اگر جدت کا اظہار اپنے مذہب اور دین کے لحاظ سے ہو تو معاملات اور بھی زیادہ حساس ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی کچھ نیو بسم اللہ، نیو ماشاء اللہ اور نیو مدینہ کی شکل میں ہو رہا ہے۔ اگر اپنے گرد و نواح پر نظر ڈالی جائے تو جا بجا نیو بسم اللہ جنرل سٹور، نیو بسم اللہ آٹو سٹور، نیو بسم اللہ سپر سٹور، نیو ماشاء اللہ جنرل سٹور، نیو ماشاء اللہ بیکری، نیو مدینہ میڈیکل سٹور، نیو المدینہ الیکٹرک سٹور، نیو مدینہ کریانہ سٹور وغیرہ کے سائن بورڈز کے ساتھ دُکانات، شوروم، مارکیٹیں اور کاروبار نظر آئیں گے۔

اس صورتِ حال کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو نظر آئے گا کہ ''بسم اللہ....'' تو ''بسم اللہ'' ہے اِس میں کسی کمی یا بیشی کا کیا مطلب؟ ''ماشاء اللہ'' تو ''ماشاء اللہ'' ہے اِس میں کسی سابقے و لاحقے کی کیا گنجائش؟ ''سبحان اللہ'' تو ''سبحان اللہ'' ہے اِس میں کسی اضافہ یا کمی کے کیا معانی؟ اسی طرح سے نیو بسم اللہ، نیو ماشاء اللہ، نیو سبحان اللہ



Marfat.com

اور اسی طرح کے دوسرے ناموں وغیرہ کے استعمال کا کیا جواز ہے؟

کس قدر بے خبری اور جہالت کی بات ہے کہ محض کاروبار کے فروغ، تسلسل، کسی باہمی تقسیم کے نتیجہ میں حصہ میں آنے والے کاروبار، افتادِ طبع یا محض تقلید برائے تقلید کے تحت ہم آنکھیں، کان اور شعور کی کھڑکی بند کیے، بغیر سوچے سمجھے اور بغیر اپنے انجام پر نگاہ کیے چلے جا رہے ہیں۔ اور یہ ہیں بھی ایسی غلطیاں اور لغزشیں کہ ان کے لیے ہم کسی اور کو موردِ الزام بھی نہیں ٹھہرا سکتے! یہ سب کی سب ہماری اپنی کوتاہیاں اور زیادتیاں ہیں۔ کس قدر دلیری سے ہم نیو بسم اللہ جیسے الفاظ استعمال کر رہے ہیں اور مقامِ حیرت ہے کہ عوام تو عوام، علماء میں سے بھی کوئی اِس حوالے سے نہ تو قلم اُٹھا رہا ہے اور نہ ہی کوئی مؤثر صدا بلند ہو رہی ہے۔

اسی طرح سے روزانہ ایسے کئی وزٹنگ کارڈز، پمفلٹ، بینرز اور سائن بورڈز جا بجا نظر آ رہے ہیں۔ نہ ان کے بنانے والے کو پتا، نہ بنوانے والے کو خبر اور نہ دیکھنے والوں کو کوئی فکر؟ ایک عجب سا بہاؤ ہے جو بہا جا رہا ہے۔ ایک سیلِ رواں ہے جو اپنی اپنی ضروریات کے تعاقب میں چلا جا رہا ہے۔ اس حوالے سے عوام الناس کی نظریاتی تشکیل کی ضرورت ہے۔ اُن کو وقتاً فوقتاً مناسب راہنمائی فراہم کی جانی چاہیے تاکہ بحیثیت قوم ہم ہر دور کے تقاضوں سے سرخرو ہو سکیں۔

•••



Marfat.com

# مکہ کولا/زمزم کولا

پچھلے دنوں مارکیٹ میں مکہ کولا اور زمزم کولا کے نام سے پیپسی کولا اور کوکا کولا کے مقابلے میں مشروبات متعارف کرائے گئے جن کو مُسلم مشروبات کا نام بھی دیا گیا۔ یہ ایک اچھی اور مثبت روایت ہے۔ مسلمانوں کو جاگنا چاہیے، اپنی معیاری مصنوعات کے ساتھ مارکیٹ میں مقابلہ کرنا چاہیے، اپنی گنجائش پیدا کرنی چاہیے اور بہتر مارکیٹنگ کے ساتھ اپنی ساکھ اور مقام بنانا چاہیے۔ یہ ایک حوصلہ افزاء بات اور ہوا کا ایک خوشگوار جھونکا ہے۔ اِس سے ایک تو مقابلے کا رجحان پیدا ہوگا اور دوسرے حاصل شدہ منافع ملک وقوم کی فلاح و بہبود اور ترقی پر استعمال ہوگا۔ تاہم اِس ضمن میں مذہب کو بنیاد بنانا اور مذہبی جذبات کو کیش کرانا ہرگز درست نہ ہے۔

مارکیٹ میں اصل چیز معیار، مارکیٹنگ، بھروسہ اور معیار کا تسلسل ہے۔ اِس میں مذہب یا جذبات کا عنصر شامل کرنے سے ایک، دو، چار بار تو پراڈکٹ فروخت ہو جائے گی مگر بعد ازاں کیا ہوگا؟ اگر اس کا معیار مارکیٹ کے معیار سے کم تر ہوا تو پھر حرف کس پر آئے گا؟ اِس لیے یہ ایک بے حد ذمہ داری کا کام ہے۔ اِسی بات کو اگر



Marfat.com

ایک دوسرے پہلو سے دیکھا جائے تو دکھائی دے گا کہ مکہ کولا یا زمزم کولا، اِس حد تک تو درست ہے کہ اس سے مسلم تشخّص کا احساس جھلکتا ہے اور مارکیٹ کے اندر جگہ بنانے کے لیے اِن ناموں کو استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں تک تو بات سمجھ میں آتی ہے مگر ساتھ ہی ساتھ اگر ایک لحظہ کے لیے رُک کر سوچا جائے، غور کیا جائے اور اس امر کی طرف توجہ مبذول کی جائے کہ اس ضمن میں استعمال شدہ بوتلوں وغیرہ کو کیسے، کہاں اور کس طرح سے "Dispose off" کیا جائے گا؟

مکہ، مدینہ، زمزم اور اسی طرح کے دوسرے نام ہمارے لیے بے حد ادب، احترام اور عظمت کے حامل ہیں۔ اِن کی توہین کسی بھی شکل میں نا قابلِ قبول ہے۔ مان لیا کہ مسلمان تو کسی نہ کسی حد تک اِن کا احترام کریں گے مگر غیر مُسلم.... کیا ہمیں یہ زیب دیتا ہے کہ ہم محض مادی فوائد کے لیے اِن پاکیزہ، مبارک اور محترم ناموں کو گلیوں اور بازاروں میں بے توقیر ہونے دیں! اور ایسے نام رکھنے کا یہ جاری سلسلہ کیا اب کعبہ کولا تک جا کر رُکے گا؟ افسوس....! نگاہ اوروں پر کی جائے یا اپنوں کی کم مائیگی اور جہالت کو دیکھا جائے۔ ماتم بے شعوری کا ہو یا نوحہ باشعور لوگوں کی عقل کا ہو! ہم کہاں سے کہاں جا رہے ہیں؟ تذکرہ ہماری دنیاوی دلچسپیوں یا ترجیحات کا ہو تو ہمارے کان کھڑے اور دل متوجہ ہو جاتے ہیں اور جب بات عظمت و رفعت کے سرچشموں کی ہو تو ہمارے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔

بحیثیت قوم ہمارے روّیے بعض اوقات عجیب سی دوعملی کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ ایک طرف تو ہمارے دل میں مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ سے آنے والی کھجوروں کا اتنا احترام اور عقیدت ہے کہ ہم ان کی گٹھلیاں بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے، ان کو محبّت اور عقیدت سے سنبھال کر رکھتے ہیں۔ جب کہ دوسری طرف کئی بار ہمارے سامنے



Marfat.com

اخبارات اور دوسرے ایسے کئی اوراق بکھرے پڑے نظر آتے ہیں جن پر آیات مبارکہ اوراحادیث مبارکہ کے تراجم تحریر ہوتے ہیں اور ہم ان سے صرفِ نظر کر کے گزر جاتے ہیں۔کئی بار تو ہم چھوٹی چھوٹی باتوں پر اٹک جاتے ہیں اور کئی بار بڑی بڑی باتوں کو بھی یوں نظر انداز کر دیتے ہیں کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ چاہیں تو گھونگٹ کے انداز پر کئی فقہی مسائل زیر بحث لے آئیں اور مصلحت کی چادر اوڑھ لیں تو منگنی، مہندی اور شادی کی رسومات پر مرد وزن کے بے پردہ طعام وکلام اور اختلاط کو بھی قابل توجہ نہ گردانیں۔

مکہ ہمارا ہے، مدینہ ہمارا ہے، زمزم ہمارا ہے (کیسا پانی ہے جس میں قیامت تک کے لیے شفا ہے اور مسلمانوں کے لیے عالمگیر حیثیت کا حامل ہے۔مگر کیسی کج فہمی ہے کہ آج مشروب بھی زمزم ہونے لگے ہیں)، مسجدیں ہماری ہیں اور اِن کی عزت و حرمت کے پاسبان بھی ہم ہی ہیں۔ یہ سوال ایک فرد، ایک ملک یا علاقہ کا نہیں بلکہ پوری اُمتِ مسلمہ کا ہے....!

جب ایسے کئی اور نام موجود ہیں جو اِن مصنوعات کی بھرپور نمائندگی کر سکتے ہیں تو کیا یہ ضروری ہے کہ ہم گھوم پھر کر انہی چند محترم اور مبارک ناموں کا یوں بے دریغ استعمال کرتے پھریں۔ یہ سلسلہ اب تھم جانا چاہیے۔ امرت کولا وغیرہ کے نام سے بھی چند ایک مشروبات بازار میں ہیں جنھوں نے ریکارڈ بزنس کیا ہے۔اور پاکستان کی حد تک ہمالیہ کولا اور K-2 کولا وغیرہ جیسے نام بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح سے مارکیٹ میں دوسرے ایسے کئی اور کاروبار، مصنوعات اور سلسلے بھی موجود ہیں جن کے ساتھ یہ مبارک، محترم اور بابرکت نام استعمال کیے جا رہے ہیں۔ان سب پر نظر ثانی کی اشد ضرورت ہے۔

●●●



Marfat.com

# کراس رصلیب

مسجدیں اللہ کے لیے ہیں اور ہر سطح پر یہ مسلمانوں کے لیے روحانی مرکز اور قابلِ احترام ہیں۔ مسلمان اِن کی تعمیر اور تزئین و آرائش کے سلسلہ میں خصوصی طور پر دلچسپی لیتے ہیں۔ آج بھی برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے بنی ہوئی ایسی مساجد موجود ہیں جو صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اُن کے فن اور ذوق کا بہترین شاہکار نظر آتی ہیں۔ ان میں بادشاہی مسجد، مسجد وزیر خان اور مسجد مہابت خان وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہ سب کی سب مسلم تہذیب و ثقافت کی علمبردار ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد بھی یہ مثبت رجحان جاری ہے۔ فیصل مسجد اسلام آباد اس کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ ان مساجد کا ایک ایک گوشہ مسلم آرٹ (محراب، چھوٹے بڑے گنبد، مینار، ہلال کا نشان وغیرہ) اور ہنر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

مگر پچھلے کچھ عرصہ سے بڑی حیرت اور افسوس کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے کہ کچھ مساجد کی تزئین و آرائش کے لیے جو نمونے استعمال کیے جا رہے ہیں وہ صلیب یا صلیب نما ہیں۔ اُن میں سے اکثر باہم مل کر صلیب (+) کی اشکال اختیار کر لیتے



Marfat.com

ہیں۔ دور سے دیکھنے پر مسجد کی بیرونی منڈھیر چرچ (گرجا گھر) کی شکل میں دکھائی دیتی ہے۔ کراس/صلیب عیسائیت کی علامت ہے اور ہلال (چاند) مسلمانوں کا نشان ہے۔ مساجد کے حوالے سے تو ہمیں خاص طور پر اور زیادہ حساس اور محتاط ہونا چاہیے کیونکہ ہم جس قدر اس حوالے سے حساس ہوں گے، اسی قدر پاکیزگی، سربلندی اور وقار کے سلسلے دراز ہوں گے۔

کیسی ستم ظریفی کی بات ہے کہ ہم بن دیکھے ایک ایسی روش پر چل نکلے ہیں جو کہ سراسر غلط اور مسلم تہذیب و تمدن پر ایک کاری ضرب ہے۔ یقیناً اس ڈیزائن کو اوّل طور پر مارکیٹ میں بہت سستا متعارف کرایا گیا ہے اور اب یہ سلسلہ چل نکلا ہے۔ بیرونی ڈیزائنوں کے ساتھ ساتھ اب کراس نما ٹائلیں بھی نسبتاً سستی دستیاب ہیں۔ اور ایسا مسلسل ہو رہا ہے۔ سوچنا ہو گا کہ کہیں ہم تہذیب غیر کو کیبل، ڈراموں، کتابوں اور حد یہ کہ نصاب سے متعلقہ مواد کے ذریعہ محسوس اور غیر محسوس انداز میں مسلم ثقافت کی جگہ تو نہیں دیتے جا رہے ہیں۔ چاہیے کہ ہم بیدار ہوں، ہر طرف نگاہ رکھیں اور اپنی مساجد کی تزئین و آرائش میں خالص مسلم فن تعمیر کو مدِ نظر رکھیں۔ ہمارا فنِ تعمیر دنیا میں ممتاز مقام کا حامل ہے۔ اس لیے نئی تعمیر ہونے والی مساجد میں بھی احتیاط کو ملحوظِ خاطر رکھیں اور پہلے سے تعمیر ہونے والی مساجد میں بھی دیکھیں کہ کہیں اُن کے اندر ایسے کسی نقش یا تصویر کا کوئی ایسا نمونہ تو نہیں جس سے مسلم انفرادیت، عظمت اور تشخص پر زد پڑتی ہو۔ اگر ایسا ہے تو اس کو درست کریں اور آئندہ کے لیے ہر پہلو پر احتیاط اور بیدار مغزی سے کام لیں۔

•••



Marfat.com

# زید، بکر، عمر، علی

مسلمان جاگ ، وقتِ سحر ہے　　دسترس میں تیری بحر و بر ہے
تیرا قلب ہے آئینہ حق نما　　سنبھل کہ تو خوابیدہ تر ہے

زید، بکر، عمر اور علی ہماری روزمرہ زندگی میں استعمال ہونے والی مثالوں کے جانے پہچانے نام اور کردار ہیں۔ اگر پوچھا جائے کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟ اور کام کرنے والے کا پتا نہ ہو تو فی الفور جواب ملے گا کہ

مجھے کیا پتا یہ زید نے کیا ہے یا بکر نے....؟

اِسی طرح سے روزمرہ زندگی کی دیگر کئی مثالوں میں بھی یہ رجحان عام ہے۔ ہم بڑی آسانی اور سہولت کے ساتھ مثالوں میں یہ نام بطور مفروضہ استعمال کرتے ہیں۔ جیسے زید نے بکر کو خط لکھا....! خاص طور پر ریاضی اور قانون کی کتابوں میں تو یہ استعمال اور بھی زیادہ ہے۔ مثال کے طور پر

''فرض کیا کہ زید کے پاس ۴ مربع زمین تھی جس کا سودا اُس نے بکر کے ساتھ مبلغ دس لاکھ روپے میں طے کیا۔ عمر اور علی بھی اُس زمین کے



Marfat.com

دعویدار تھے.....وغیرہ وغیرہ"

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی مثالوں کے لیے کیا صرف یہی نام رہ گئے ہیں۔اور کیا کبھی ہم نے سوچا ہے کہ اِن ناموں کی نسبت کن کے ساتھ ہے اوران کے اس طرح استعمال سے ان مبارک ناموں کا تقدس مجروح ہوتا ہے؟ اور پھر یہ نام ہمارے ملکی کلچر کا حصہ بھی نہیں ہیں۔

اہل عرب تو اپنے روز مرہ میں ان ناموں کا استعمال کر سکتے ہیں کیونکہ یہ نام ان کے کلچر کا حصہ ہیں مگر ہم کس طرح؟ کیا ہمارے مقامی اور عام فہم نام اس مقصد کے لیے استعمال نہیں ہو سکتے؟ کیا اسلم، اکرم، طارق وغیرہ ایسی مثالوں کے لیے زیادہ موزوں نہیں....! کیا ہمارا دامنِ ادب اِس قدر تنگ ہو گیا ہے کہ ہم چند مبارک، بابرکت اور محترم ناموں کی حُرمت کی لاج بھی نہیں رکھ سکتے....!

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ اور دوسرے صحابہ اکرامؓ کے نام ہمارے لیے بے حد اہم، مقدس، بابرکت اور قابلِ احترام نام ہیں۔ یہ وہ نام ہیں جو وضو کر کے لیے جانے کا تقاضا کرتے ہیں۔ ان کو اِس قدر عمومیت سے استعمال کیا جائے یہ بہت درد افزاء بات ہے۔ بلا سوچے سمجھے، ایک جاری روش کی تقلید جاری ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ ہم کن ناموں کی نسبت کو کس جگہ اور کیسے استعمال کر رہے ہیں؟ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ اور دوسرے ذی وقار صحابہ اکرامؓ کے مبارک نام اپنے اندر خصوصیات اور انفرادیت کے جہان رکھتے ہیں۔ ان کا استعمال ان کے شایانِ شان ہونا چاہیے۔ یہ محض فرضی نام نہیں بلکہ رگوں میں دوڑنے والی جاوداں اور زندہ صداقتیں ہیں۔ اس لیے ان کا استعمال عمومیت کی بجائے خصوصیت اور احتیاط کا تقاضا کرتا ہے۔



Marfat.com

# موبائل/ای میل پیغامات

پاکستان میں ٹیلی کمیونیکیشن، الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے روزافزوں ترقی کرتے ہوئے نظام میں موبائل فون اوراس کا استعمال تواب زندگی کا ایک لازمی جزو بن کررہ گیا ہے۔ اس کے انسانی زندگی اور معاشرے پر مثبت اور منفی اثرات تواپنی جگہ پر ایک الگ بحث ہے۔ مگرفون پر شناسا اور غیر شناسا افراد کی طرف سے موصول ہونے والے کچھ پیغامات (Text Messages) بعض اوقات بلاوجہ تکلیف اور پریشانی کا باعث بن جاتے ہیں۔

یہ پیغامات اپنے اندر مختلف نفس مضمون رکھتے ہیں۔ کہیں انعامات کا جھانسا دیا جاتا ہے تو کہیں لاٹری/قرعہ اندازی وغیرہ پر اکسایا جاتا ہے۔ بعض پیغامات میں مذہب کے نام پر لوگوں کو بلاوجہ ڈرایا اور خوف دلایا جاتا ہے۔ موصول ہونے والے پیغامات کو آگے دوسرے لوگوں تک پہنچانے کا/بجھوانے کا انعام اور نہ بجھوانے پر نقصانات کا ڈراوا دیا جاتا ہے۔ کچھ لوگ تو خوف اور انعام کے حوالے سے ان کی آگے ترسیل (Send) کر دیتے ہیں۔ یہ پیغامات اپنے دوستوں اور شناساؤں کو بھیج



Marfat.com

کر سرخرو ہو جاتے ہیں اور کچھ اپنے تئیں اپنی ہی سوچوں میں الجھتے رہتے ہیں۔ الغرض یہ سلسلہ پھیلتا ہی چلا جاتا ہے۔ ابھی ایک سے فارغ نہیں ہوتے کہ کوئی دوسرا اسی طرح کا میسج اور ڈراوا آجاتا ہے۔

بعض اوقات چند ایک میسجز (Messages) میں ہسپتال میں زیر علاج کسی جاں بلب مریض کا تذکرہ کر کے چندے اور بیلنس بھجوانے کی اپیل کی جاتی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا واسطہ دے کر جذباتی طور پر بلیک میل کیا جاتا ہے۔

اسی طرح سے غالب، اقبال اور فراز جیسے شعراء کے القابات اور ناموں سے منسوب اشعار موصول ہوتے ہیں۔ جن کی ادبی وفکری صحت یکسر مشکوک ہوتی ہے۔ جبکہ دوسری طرف احادیث اور بڑی بڑی بزرگ ہستیوں کے حوالہ سے اقوال زریں پر مشتمل پیغامات بھی ملتے رہتے ہیں جن کی تحقیق عام حالات میں ممکن نہیں ہوتی۔ یہ ایک ایسی بحث اور توجہ طلب صورتِ حال ہے کہ جس کی تفصیل کے لیے الگ سے ایک کتاب درکار ہے۔

اس ضمن میں ایک اور بے حد تکلیف دہ پہلو رنگ ٹونز (Ring Tones) ہیں۔ اکثر ٹونز قرآن پاک کی کچھ آیات یا نعت رسولِ مقبول ﷺ پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ایک طرف تو اکثر اوقات آیت مبارکہ اور نعت نبی ﷺ مکمل ہوئے بغیر درمیان میں ہی فون اٹینڈ ہو جاتا ہے جو کہ بے ادبی کے زمرے میں آتا ہے اور دوسری طرف بعض اوقات ایک دوسرے سے ایسی بے تکلفی اور بے ساختگی سے گفتگو شروع ہوتی ہے کہ آیات مبارکہ اور نعت مبارک کا تقدس ملحوظ خاطر نہیں رہتا۔

یہ سلسلہ ایک تسلسل سے چل رہا ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا فرد ہوگا کہ جس کے پاس فون ہو اور اسے اس صورتِ حال کا سامنا نہ ہو۔ مگر مجال ہے حکومتی سطح پر اس کے



Marfat.com

تدارک کے لیے کوئی ٹھوس قدم اٹھایا گیا ہو۔ اور کچھ نہیں تو حکومت مفتیٔ وقت سے فتویٰ لے کر ذرائع ابلاغ سے اس کی خوب تشہیر کرے۔ عوام الناس تک اس فتویٰ کی ترسیل کو یقینی بنائے کہ ایسے موصول ہونے والے/ ڈراوا دینے والے پیغامات (Messages) کا کیا کیا جائے اور ان کے لیے کیا مناسب لائحہ عمل ہے؟ قرآن وسنت میں اس بابت کیا احکامات ہیں؟ بھجوانے والے پر کیا قدغن ہے اور ریسیو کرنے والے کی کیا ذمہ داری ہے؟

یہ سب ریاست کے فرائض میں شامل ہے۔ آئینی طور پر اسلامی نظریاتی کونسل موجود ہے۔ اس کے علاوہ علماء، مفتی صاحبان، دانشور، محقق اور اساتذہ بھی ہیں۔ کون اس بات کا بیڑا اٹھائے گا اور آخر یہ سلسلہ کب تک چلے گا؟ کسی نہ کسی کو تو اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونا ہے اور عوام الناس کی درست راہنمائی کرنا ہے۔ حکومت کے ساتھ ساتھ دینی اداروں، اکادمی ادبیات اور دوسرے اکابرین کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ فی الفور ان باتوں کا نوٹس لیں اور ان کے تدارک کے لیے انفرادی، اجتماعی اور ملکی سطح پر متحرک ہوں۔

●●●



Marfat.com

# عبداللہ، عبدالرحمٰن......

بچوں کے خوبصورت اور مبارک نام رکھنے اور ان کو اصلی نام سے پکارنے کے حوالے سے واضح احکامات موجود ہیں۔ بچے کے نام کے اثرات عمر بھر اس کی شخصیت پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔اسلام نے خاص طور پر بچوں کے اچھے نام رکھنے پر زور دیا ہے اور بچے کی پیدائش کے ساتویں دن تک اس کا اچھا سا نام تجویز کرنے کو مستحسن قرار دیا گیا ہے۔

بچوں کی پیدائش پر جہاں اور بہت سے اہتمام کیے جاتے ہیں وہیں پر ان کے نام رکھتے وقت بھی بڑے شوق کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ایک طرف ننھیال والے کچھ نام لیتے ہیں تو دوسری طرف ددھیال والے اپنے نام تجویز کرتے ہیں۔ ماں کی اپنی خواہش ہوتی ہے اور باپ اپنی امنگ کا اظہار کرتا ہے۔ بھائی، بہنوں اور دوسرے عزیز و اقارب کا اپنا اپنا خیال اور جذبہ ہوتا ہے۔ایک وقت میں کئی کئی نام زیر غور ہوتے ہیں۔

ناموں کے حوالے سے اسلامی اور غیر اسلامی ناموں کی بحث بھی چھڑتی



Marfat.com

ہے.... باپ، دادا کی نسبت بھی دیکھی جاتی ہے۔اسی طرح کے کئی اور عوامل بھی مدنظر ہوتے ہیں۔مثال کے طور پر راقم الحروف کے ایک دوست نے اس وجہ سے اپنی بیٹی کا نام باوجود پسند اور خواہش کے ''زاہدہ پروین'' نہ رکھا کیونکہ یہ اس کی مرحوم والدہ محترمہ کا بھی نام تھا۔اسے حد ادب نے یہ نام تجویز کرنے سے روک دیا۔الغرض کتنے ہی مرحلے طے ہوتے ہیں اور تب کہیں جا کر بچے کا نام تجویز ہوتا ہے....! مگر کچھ ہی عرصہ گزرنے کے بعد پتا بھی نہیں چلتا کہ کب بڑے ارمانوں، حوالوں، تحقیق اور شوق سے رکھا گیا نام

عبداللہ سے دُلّا / دُلّی

عبدالرحمٰن سے مانا / مانی

عبدالرؤف سے روفا / روفی

عبدالقدوس سے قدوسی / قدوسا

عبدالرزاق سے رزاقا / رزاقی / رجھاکا

عبدالستار سے ستارا

عبدالغفار سے غفارا

عبدالغفور سے پھوکا

غلام رسول سے سولا

محمد فاضل سے پھجا / پھجّو

محمد افضل سے اپھو

وغیرہ وغیرہ ہو جاتا ہے۔اسی طرح کا سلوک خواتین کے ناموں کے ساتھ بھی کیا جاتا ہے۔اور یہ تو تصویر کا صرف ایک رخ ہے۔



Marfat.com

دوسرے رُخ پر نگاہ کی جائے تو نظر آئے گا کہ بچوں کے کئی کئی ''نک نیم'' پکارے جاتے ہیں جو عمر بھر ان کے تعاقب میں رہتے ہیں بلکہ بعض اوقات آدمی ان سے جان چھڑانا چاہتا ہے مگر ''میں تو کمبل کو چھوڑتا ہوں یہ مجھے نہیں چھوڑتا'' کے مصداق کنارہ کشی مشکل ہو جاتی ہے۔ بچپن سے چلے آنے والے یہ نام کالا، کالو، کاکا، ننھی اور بے بی وغیرہ کی صورت مرنے کے بعد بھی انسان کی جان نہیں بخشتے۔ اصل نام تو ایک بھولا بسرا خواب بن کر رہ جاتا ہے۔ یہ فہرست اتنی طویل اور تکلیف دہ ہے کہ اسے شمار کرنے کو الگ سے کئی صفحات درکار ہیں۔

اسلام تو عام ناموں کے بگاڑ کے بھی خلاف ہے۔ کجا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نام، آپ ﷺ کے نام، اہلِ بیتؓ، صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کے مبارک اور بابرکت ناموں کی نسبت سے رکھے گئے ناموں کو بگاڑا جائے۔ نام کی نسبت سے انسانی زندگی پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اچھے نام کا اچھا اثر پڑتا ہے اور برے نام کے برے اثرات نکلتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ، صحابہ کرامؓ اور معزز و محترم ہستیوں کے مبارک ناموں کی نسبت سے رکھے گئے ناموں کو ہرگز نہیں بگاڑنا چاہیے۔ یہ سخت بے ادبی اور ناپسندیدہ عمل ہے۔ اس طرح سے ایک طرف تو ہم گنہگار ہوتے ہیں اور دوسری طرف ان ناموں کو پکارنے اور بلانے سے حاصل ہونے والے فیوض و برکات سے بھی محروم رہ جاتے ہیں۔ اس لیے اس سلسلہ میں ہمارے معاشرتی رویوں کو اعلیٰ اقدار کا حامل ہونا چاہیے۔

•••



Marfat.com

# شیخ الحدیث، شیخ القرآن، شیخِ طریقت، راہبرِ شریعت، عارفِ بحرِ حقیقت، منبعِ حکمت و شریعت، مردِ حُر، مردِ قلندر، حضرت، مولانا، مفتی، حافظ، قاری

آپ کسی بھی عرس، محفل، دینی تقریب یا پروگرام کے حوالہ سے کوئی سے بھی دس پوسٹر (اشتہار) اٹھا کر دیکھ لیں۔ آپ کو عنوانِ بالا سب القابات اور خطابات اپنے تمام تر سابقوں اور لاحقوں کے ساتھ پڑھنے، اور دیکھنے کو مل جائیں گے۔ اسی طرح آپ ایسی کسی محفل یا پروگرام میں نقابت کرنے والے کو سن لیں تو یہ سب کچھ بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ سننے کو مل جائے گا۔ اس سلسلہ میں کسی ڈگری، عمر، فکر، زہد، تقویٰ اور بزرگی کی کوئی قید نہ ہے۔ ایک روایت کے تحت یہ القابات مذہب، طریقت، شریعت اور فقر سے منسوب لوگوں کو دیے جا رہے ہیں۔ اس بات سے قطع نظر کہ کیا واقعی ایسے سب افراد اس مقام کے اہل ہوتے ہیں جن کے ساتھ ہم یہ سب کچھ منسوب کر رہے ہوتے ہیں اور ان کی اکثریت بھی بڑی ''عاجزی و انکساری'' کے ساتھ ان سب القابات



Marfat.com

کو تسلیم اور قبول کر رہی ہوتی ہے۔ بلکہ وہ ''من آنم کہ من دانم'' کی عملی تفسیر دکھائی دیتے ہیں۔

اکثر اوقات تو ان لوگوں کو قاری صاحب کا خطاب دے دیا جاتا ہے جو قرآن پاک کی کسی ایک سورۃ مبارکہ تک کی بھی قرأت نہیں کر سکتے۔ انہوں نے سرے سے ہی قرآن پاک کو تجوید اور قرأت کے ساتھ سیکھا اور سمجھا ہی نہیں ہوتا۔ اسی طرح حافظ کا خطاب بھی ایسے کئی افراد کے نام کا مستقل حصہ بن چکا ہے یا بنا دیا گیا ہے جنہیں قرآن پاک کا کوئی ایک پارہ تک بھی زبانی یاد نہیں ہے۔

نام کے ساتھ لگنے والے ان القابات اور خطابات کے اپنے مخرج کے اندر کچھ خاص مطالب ہیں۔ یہ چند خاص مقامات کے کچھ خاص اشارے ہیں۔ مگر ایسے افراد کے ساتھ جو ان کے بالکل ہی اہل نہ ہوں، ان کے ساتھ یہ سب کچھ لگا دینا کس طور سے مناسب ہے؟ کسی کو شعلہ بیاں مقرر کہنا، اعلیٰ بیان خطیب لکھنا، عالی جناب پکارنا، عزت اور مرتبہ دینا یا اس کی شخصیت میں پائی جانے والی کسی خوبی کا ذکر کرنا تو درست اور مناسب ہے مگر محض انداز و بیاں، عوام الناس کو متوجہ کرنے اور اشتہارات کی عبارت کو رنگین اور مؤثر کرنے کے لیے ان الفاظ و القابات کا استعمال کسی بھی طرح سے مستحسن نہ ہے۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ وہ لوگ جن کے بارے میں یہ سب کچھ کہا اور لکھا جاتا ہے، وہ بھی یہ سب کچھ سن اور پڑھ کر خوش ہوتے ہیں بلکہ اندر ہی اندر مزید ستائش اور خود نمائی کے طالب بھی ہوتے ہیں۔ دوسروں کی اصلاح کا بیڑا اُٹھانے والے ہی اگر ان القابات کے عادی ہوں گے اور انہیں سن کر خوش ہوں گے۔ اندر ہی اندر خود کو سراہیں گے۔ بلکہ کچھ مزید تعریف و توصیف کے خواہش مند بھی ہوں گے تو پھر اصلاح احوال اور اس بات کا تدارک کون کرے گا....؟



Marfat.com

انسانی نفس تو مشہوری اور خود نمائی چاہتا ہے۔ برتری کا طالب ہوتا ہے۔ خود ستائی اور دنیاوی جاہ و حشمت کا تمنائی ہوتا ہے۔ مگر بادی النظر میں حق بیان کرنے والے لوگ حق کے زیادہ قریب سمجھے جاتے ہیں۔ ان سے زیادہ بہتر، باوقار اور شستہ انداز و اطوار کی توقع کی جاتی ہے۔ اس لیے ایسے نمائندہ افراد کو صداقت کا علمبردار ہونا چاہیے اور ہر قدم پھونک کر رکھنا چاہیے کیونکہ عوام الناس نہ صرف ان کی تقلید کرتے ہیں بلکہ ان کی شخصیت کے اثرات بھی قبول کرتے ہیں۔ ایسے میں بہتری کی ایک امید ان لوگوں سے بھی ضرور کی جانی چاہیے، جو محض اپنے پروگرام یا تقریب کی رونق کے لیے افراد کو ان کے اصل سے کہیں زیادہ بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔

●●●



Marfat.com

# باب چہارم

## (اختتامیہ)

Marfat.com

Marfat.com

آخر میں، خصوصی طور پر، اس امر کا تذکرہ مقصود ہے کہ کتاب ہذا میں الفاظ، محاورات، امثلہ جات اور روزمرہ وغیرہ کا اجمالاً جائزہ لیا گیا ہے۔ علم اللغت (Lexicology) کے مطابق ان کی بناوٹ اور ماخذ وغیرہ کو زیر بحث نہ لایا گیا ہے اور نہ ہی ان کے تاریخی و تدریجی پہلو کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ بلکہ اس ضمن میں روزمرہ زندگی میں ان کے استعمال اور پیش آمدہ صورتِ حال کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے۔ علاوہ ازیں بیان کیے گئے نقطۂ نظر اور زاویۂ فکر کا مقصد کسی کو اُلجھانا، مشکل اور سختی پیدا کرنا نہیں بلکہ مطلوب ایک حد ادب کا احساس دلانا اور اہلِ ادب کی توجہ تطہیرِ ادب کے تقاضوں کی طرف مبذول کرانا ہے۔ مقصد انتشار نہیں، احتیاط اور اصلاح ہے۔

اس کتاب کی کئی باتوں اور پہلوؤں سے اتفاق اور کئی زاویوں سے اختلاف ہوسکتا ہے جو کہ ایک فطری امر ہے۔ زبان و بیان کا ارتقاء اپنی جگہ پر ایک حقیقت ہے مگر کچھ چیزوں کو دیکھنے کا ایک خاص زاویۂ نظر ہوتا ہے اور اگر ان کو اسی نظر اور مقام کے مطابق دیکھا جائے تو بات بنتی ہے۔ ورنہ سفر ادھورا اور نا تمام رہ جاتا ہے۔ اور کچھ نہ ہو تو دل میں ایک چبھن اور خالی پن کا احساس ضرور رہتا ہے۔ اسی لیے تو جہاں دل



Marfat.com

میں خلش، شک اور شبہ کا احساس پیدا ہو وہاں پر رک جانا، سوچنا، سمجھنا اور دل سے راہنمائی حاصل کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

آج اگر اقوامِ عالم میں ''آزادی اظہارِ رائے'' کے نام پر نت نئے فتنوں کو دعوت دی جا رہی ہے۔ مقدس اور لافانی شخصیات کی شخصیت اور کارناموں کو معاذ اللہ خاکوں یا بے ادبی سے ظاہر کیا جا رہا ہے تو عالم اسلام کی سوچ، نقطۂ نظر، عمل اور ردِ عمل اس پر بالکل واضح ہے۔ اسلام میں ایسی کسی چیز کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام ہر حال میں ادب کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے۔ ایک خاص حد سے آگے حد ادب ہے۔ اس سے آگے ہر قلم بے لفظ، ہر زبان عاجز، ہر بیان بے بس اور ہر اظہار پابند ہے۔ اسی طرح سے اسلامی تہذیبی و ثقافتی ورثہ اور اِس سے نسبت رکھنے والے الفاظ و محاورات وغیرہ کے حوالے سے ہمارا نقطۂ نظر بالکل واضح، صاف اور شفاف ہونا چاہیے۔

ہر تبدیلی اور تغیّر کے کچھ خاص اصول اور قواعد وضوابط ہوتے ہیں۔ ہر پیرو کار کے سامنے ادب کے کچھ مخصوص تقاضے ہوتے ہیں....! انہی حدود و قیود کے اندر رہ کر ہی تبدیلی کا عمل تکمیل پذیر ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ مترادف و متضاد الفاظ کے چناؤ کا الگ ضابطہ ہے تو ''اسم'' سے ''فعل'' اور ''فعل'' سے ''اسم'' بنانے کا اپنا طریقۂ کار ہے۔ اسی طریقۂ کار اور قواعد وضوابط کے تابع الفاظ سے لے کے تراکیب تک زبان و بیان کی عمارت استوار ہوتی ہے۔

لیکن چونکہ مدتوں سے ہمارا ادبی سرمایہ تطہیر اور کانٹ چھانٹ کے عمل سے نہیں گزرا۔ اس لیے اس میں کئی ایسی چیزیں شامل ہو گئی ہیں جو زبانِ حال سے پکار پکار کر اصلاح احوال کا تقاضا کر رہی ہیں۔ بلکہ بعض تراکیب اور محاورات وغیرہ سرے



Marfat.com

سے ہی اضافی معلوم ہوتے ہیں۔ان سے ہٹ کر بات کو دوسرے انداز اور الفاظ کے ساتھ زیادہ بہتر طور سے بیان کیا جاسکتا ہے۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ

بڑے پاک ہو

طنزاً بڑے بے شرم ہو۔

ذات شریف

چالاک،مفسد،شرارتی۔

بزرگ

طنزاً شریر۔

قرآن ٹھنڈا کرنا

قرآن مجید ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑے تو اس صورت میں قرآن شریف کے برابر غلہ تول کر خیرات کرتے ہیں۔قرآن شریف کے بوسیدہ اوراق کو پاک زمین میں دفن کرنا۔

اب یہ کہہ کر کہ ''بڑے پاک ہو''،طنزاً بڑے بے شرم ہو مراد لینا کس قدر نا مناسب بات ہے۔اسی طرح سے ''ذات شریف'' کہہ کر چالاک،مفسد اور شرارتی کے معانی اخذ کرنا کیسا تکلیف دہ رویہ ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ''بزرگ'' کو طنزاً شریر کہنا اور ''قرآن ٹھنڈا کرنا'' جیسی باتیں کس قدر اضافی اور قابلِ اصلاح ہیں۔کہاں قرآن پاک کی عظمت و رفعت اور کہاں قرآنِ مجید ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑنے اور اس کے بوسیدہ اوراق کو پاک زمین میں دفن کرنے کو بیان کرنے کے لیے قرآن ٹھنڈا



Marfat.com

کرنا جیسا اندازِ بیان اختیار کرنا....!

ہم کو سوچنا ہو گا، جائزہ لینا ہو گا اور تطہیر ادب کے لیے اپنا کردار ادا کرنا ہو گا وگرنہ آنے والی نسلیں ہمیں معتوب کرنے میں یقیناً حق بجانب ہوں گی۔ اور لینے والے نے کام تو جس سے لینا ہے، لے ہی لینا ہے تو پھر سعادت مندوں کی اُس فہرست میں ہمارا نام کیوں نہ ہو؟ فطرت کی پکار پر لبیک کہنے والے ہم ہی کیوں نہ ہوں؟ آج سے تقریباً ایک سو سال پہلے کا ادبی ذخیرہ، کئی حوالوں سے، آج کے ادبی سرمائے سے زیادہ شفاف ہے۔ اس دور کی لغات کے اندر لفظ حضرت اور مصلّی وغیرہ کے مفاہیم زیادہ تر مثبت اور باوقار بیان کیے گئے ہیں۔ اس لیے یہاں پر سوچنے اور فکر کرنے کی بات یہ ہے کہ آج اگر اس سلسلے کو نہ روکا گیا۔ اس سیلِ رواں کے آگے بند نہ باندھا گیا۔ ہم اسی طرح ایسی چیزوں کو آسان لیتے رہے اور یہ تسلسل برقرار رہا، تو پھر آج سے سو، دو سو سال بعد جو صورتِ حال ہو گی، اس کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں....!

یہاں پر اس بات کا تذکرہ کرنا بھی بے حد ناگزیر ہے کہ "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔" اور یقیناً عوام الناس کی اکثریت ایسے الفاظ و محاورات کو بلا سوچے سمجھے استعمال کیے جا رہی ہے۔ ان کو ٹھیک طرح سے اندازہ ہی نہیں کہ وہ کس روش پر چل رہے ہیں۔ ان کو احساس دلایا جائے یا از خود وہ اس طرف توجہ کریں تو یقیناً اپنی ڈگر سے ہٹ جائیں۔ مگر اہلِ علم و ادب، احبابِ فکر و دانش اور اربابِ نظر و بصیرت کو تو خوب علم ہونا چاہیے کہ ان کے فرائض کیا ہیں۔ تقاضائے ادب ان کے کان میں کیا سرگوشی اور دل میں کیا القاء کرتا ہے....!

الغرض زبان و بیان کی درستگی کے لیے ایک منظّم لائحۂ عمل کی ضرورت ہے۔



Marfat.com

ایسے الفاظ و محاورات جن کا تعلق اسلامی اقدار کے ساتھ ہے ان کے مفاہیم اور استعمال کے حوالہ سے ایک ضابطۂ اخلاق جاری ہونا چاہیے بالکل اسی طرح سے جیسا کہ ''تعزیراتِ پاکستان (Pakistan Penal Code)'' میں کسی بھی طور سے مذہبی جذبات و احساسات کو ٹھیس پہنچانا قابلِ تعزیر جرم قرار دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حکومتی سطح پر، کم از کم، ایسے دس سے پندرہ اہلِ افراد کا تعین ہونا چاہیے۔ جن کے نام، ایڈریس اور رابطہ نمبر عوام الناس میں مؤثر طور سے مشتہر کیے جائیں۔ اصلاحِ زبان و بیان کے حوالے سے ایک ویب سائٹ قائم کی جائے۔ جس پر اس سلسلہ میں دلچسپی رکھنے والے افراد جب چاہیں رابطہ کریں اور دوٹوک انداز میں اپنی رائے کا اظہار کریں۔ معلومات کی باہم ترسیل کا منظم نظام ہمہ وقت فعال رہے۔

ہر دس سال کے بعد زبان و بیان کے حوالے سے، ایسی آراء کی روشنی میں قومی سطح پر نہ صرف لغت مرتب کی جائے بلکہ عوام الناس کو بھی اس ضمن میں بھرپور آگاہی فراہم کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ آنے والے وقت میں ہماری زبان دنیا کی بہترین زبانوں میں سے ایک نہ ہو اور ہمارے معاشرتی و سماجی رویے ایک بہترین سانچے میں ڈھل کر اسلام اور وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہ ہوں۔ بات صرف خلوصِ نیت اور موسلا دار بارش کے پہلے قطرے کی طرح اوّلین قدم اٹھانے کی ہے۔ ہمیں تو اپنی ذات اور اپنے اختیار کی حد تک اپنے حصہ کا پھول کھلانا ہے آگے خدا جانے کہ اس نے کس شاخ کو گلستاں کرنا ہے اور کس پتی کو حیاتِ جاوداں بخشنا ہے.....! انفرادی و اجتماعی سطح پر، ہر صلہ و ستائش سے بے پرواہ، ہمیں تو اپنے حصہ کی شمع روشن کرنا ہے۔ اُجالا خود بخود اپنی جگہ بنالے گا کیونکہ اصولِ فطرت ہے کہ سچ جھوٹ کو، دن رات کو اور بیداری



Marfat.com

نیند کو ختم کر دیتی ہے۔ جیسا کہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ''تضادات ایک دوسرے سے گریز کرتے ہیں۔ رات بھاگ جاتی ہے جب روشنی نمودار ہوتی ہے۔''

می گریزد ضدّ ہا از ضدّ ہا
شب گُریزد چوں برافروزد ضیا

●●●



Marfat.com

# کتابیات


۱ فیروز اللغات اردو جامع، مرتبہ الحاج مولوی فیروز الدین مرحوم، فیروز سنز، ۲۰۰۵

۲ المنجد عربی اردو، مرتب لوئیس معلوف ترجمہ مولانا عبدالحفیظ بلیاوی، مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۰۲

۳ ہفت زبانی لغت، مرتبین اشفاق احمد، محمد اکرام چغتائی، فضل قادر فضلی، اردو سائنس بورڈ لاہور، ۱۹۷۴

۴ فرہنگِ آصفیہ، مرتبہ مولوی سید احمد دہلوی، اردو سائنس بورڈ/ مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ، اردو بازار لاہور، ۱۹۷۴

5 قاموس مترادفات، مؤلف وارث سرہندی، اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۶

۶ مصباح اللغات مکمل عربی اردو ڈکشنری، ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی، مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی، طبع ہفتم، ۱۹۵۹

۷ اعجاز اللغات جدید، ادارہ تصنیف و تالیف، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۸

8 اردو لغت، مرکزی، مرزا مقبول بیگ بدخشانی، اردو بورڈ لاہور، ۱۹۶۹

9 پنجابی اردو لغت، مرتبہ و مؤلفہ تنویر بخاری، اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۲

۱۰ اردو، کلاسیکی ہندی اور انگریزی ڈکشنری، جان، ٹی۔ پلیٹس، اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۵

۱۱ فرہنگِ اصطلاحات، اشفاق احمد، محمد اکرام چغتائی، ۱۹۸۵

۱۲ تشریح لغت، محمد اکرام چغتائی، نذیر حق، محمد اسلم کولسری، اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۱

۱۳ جامع اللغات، مؤلفہ و مرتبہ خواجہ عبدالمجید، اردو سائنس بورڈ لاہور، ۲۰۰۳

۱۴ نوراللغات، مولوی نورالحسن نیر مرحوم، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، ۲۰۰۶

۱5 خالد اردو لغت، خالد بک ڈپو، لاہور، ۲۰۱۰




Marfat.com

۱۶ اظہر اللغات (جدید) اظہر پبلشرز لاہور

۱۷ اوکسفرڈ اردو انگریزی لغت، مؤلفین ایس ایم سلیم الدین، سہیل انجم، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۳

۱۸ فیروز سنز اردو۔ انگلش ڈکشنری، فیروز سنز لاہور

۱۹ سعیدی ڈکشنری / سعید اللغات مطبع مجیدی کانپور، مولانا محمد منیر صاحب، منیر صدیقی لکھنوی، ۱۹۴۰

۲۰ علمی اردو لغت، وارث سرہندی، علمی کتاب خانہ لاہور، ۱۹۹۶

۲۱ اردو انگریزی ڈکشنری، ڈاکٹر ایس۔ ڈبلیو۔ فیلن، ۲۰۰۵


●●●



Marfat.com

Marfat.com